چکر کاٹتا ہوا کوفہ کو پلٹا۔ اس کی بیوی غزالہ نے مَنّت مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑھوں گی۔ وہ کچھ دن چڑھے شوہر کے ساتھ صرف ستّر آدمی لے کر شہر میں داخل ہوئی حالانکہ سارا شہر دشمن تھا اور سرکاری فوج بھی بہت بڑی تعداد میں شہر کے اندر موجود تھی۔ شبیب بے باکانہ قصرِ امارت کی طرف بڑھا اور اپنے گُرز سے قصر کے دروازے پر ضربیں لگائیں۔ حیرت کی بات ہے کہ کسی کو اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ پھر وہ غزالہ کے ساتھ جامع مسجد پہنچا۔ خود مسجد کے دروازے پر تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور غزالہ نے اندر جا کر نہایت اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی اور رکعتیں بھی معمولی نہیں، پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی اور دوسری میں سورۂ آلِ عمران۔ یہ قرآنِ پاک کی سب سے طویل سورتیں ہیں اور دو دو اور اڑھائی اڑھائی پاروں پر محیط ہیں۔ غزالہ نماز سے فارغ ہوئی تو اپنے شوہر اور ساتھیوں کو لے کر مزاحم ہونے والوں کو مارتی گراتی اپنی فرودگاہ پر پہنچ گئی۔ حجاج کی فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت شبیب اور غزالہ نے کوفہ کا رُخ کیا۔ حجاج بن یوسف بصرہ میں تھا اس کو کوفہ کی طرف خوارج کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو ایک زبردست فوج کے ساتھ تیزی کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی شبیب اور غزالہ کوفہ میں داخل ہو گئے۔ جو لوگ جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے ان کو قتل کر دیا اور غزالہ نے اطمینان سے اپنی نذر پوری کر لی۔

اب حجاج کو بڑا جوش آیا اس نے ایک تجربہ کار افسر عبدالرحمٰن بن اشعث کو چھ ہزار منتخب بہادر دے کر شبیب کے استیصال پر مامور کیا۔ عبدالرحمٰن نے بڑی احتیاط اور مستعدی سے شبیب کا تعاقب کیا لیکن شبیب اس کو جھانسے پر جھانسا دیتا آگے بڑھ جاتا اس طرح عراقی فوجیں

تھک گئیں۔ اسی اثنا میں عیدالاضحیٰ کا زمانہ آگیا۔ شبیب نے فریقین کے عید منانے کے لیے چند دن کے لیے صلح کا پیغام بھیجا۔ عبدالرحمٰن نے اسے منظور کر لیا۔ حجاج کو خبر ہوئی تو اس نے عبدالرحمٰن کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عثمان بن قطن کو افسر مقرر کیا۔ عثمان نے بلا تاخیر شبیب پر حملہ کر دیا۔ اس کے پاس صرف ایک سو اسّی (۱۸۰) آدمی تھے جن میں جہیزہ اور غزالہ بھی شامل تھیں۔ انہوں نے سرفروشی کا بے مثال مظاہرہ کیا اور خونریز لڑائی کے بعد کثیر التعداد عراقی فوج کو شکستِ فاش دی۔ عثمان بن قطن لڑتا ہوا مارا گیا۔ شبیب کی کامیابیوں کو دیکھ کر بہت سے شورش پسند عوام بھی اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔

اب حجاج نے خلیفہ عبدالملک سے مدد طلب کی، اس نے چھ ہزار منتخب شامی جنگجوؤں پر مشتمل کمک روانہ کی۔ ادھر حجاج نے اپنے ایک آزمودہ کار افسر عتاب بن ورقاء کو شبیب کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ ایک کہن سالہ اور تجربہ کار بہادر زہرہ بن حویہ کو بطور مشیر بھیجا۔ ساباط کے قریب اس لشکر کا شبیب سے سامنا ہوا، اس کے پاس صرف ایک ہزار آدمی تھے مگر انہوں نے ایسی جانبازی سے سرکاری فوج کا مقابلہ کیا کہ اس کا منہ پھیر دیا۔ عتاب بن ورقاء اور زہرہ بن حویہ دونوں مارے گئے اور عراقی فوج تتر بتر ہو گئی۔ اس شرمناک شکست نے حجاج کو سخت برہم کر دیا اس نے حارث بن معاویہ کو ایک ہزار فوج دے کر شبیب کو روکنے کے لیے بھیجا جو معمولی سی جمعیت کے ساتھ کوفہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شبیب نے حارث بن معاویہ کو شکست دے کر قتل کر دیا اور کوفہ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اسی اثناء میں عبدالملک کی بھیجی ہوئی کمک بھی کوفہ پہنچ گئی۔ حجاج عراقی اور شام کی کمکی فوج کو ساتھ لے کر شہر سے نکلا اور شبیب پر پُرزور حملہ کیا۔ خارجی بڑی پامردی سے لڑے۔ شبیب کے ساتھ جہیزہ اور غزالہ بھی اس لڑائی میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑ رہی تھیں۔ اب کی بار متحدہ عراقی اور شامی لشکر بھی جان توڑ کر لڑ رہا تھا۔ اس نے پہلے کوفہ کے

باہر خارجیوں کی نو تعمیر مسجد پر قبضہ کیا اور پھر ان پر زبردست دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑا ہو کر اس کو جوش دلا رہا تھا۔ اثنائے جنگ میں شبیب کا بھائی مصاد مارا گیا وہ بڑا نامی بہادر تھا اس سے حجاج کا حوصلہ بڑھ گیا۔ خوارج غزالہ اور جہیزہ کو لڑتے دیکھ کر برابر لڑائی میں مشغول تھے اور پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ آخر حجاج نے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ ان عورتوں کو ہر صورت میں مار گراؤ۔ وہ چکر کاٹ کر عقب سے خوارج پر حملہ آور ہوئے اور غزالہ کو مار گرایا لیکن جہیزہ بچ گئی[1] اب خارجیوں کی ہمت پست ہو گئی اور وہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ شبیب اپنے بچے کھچے ساتھیوں کو لے کر اہواز کی طرف نکل گیا۔ حجاج نے عبدالرحمٰن حکمی کو تین ہزار فوج دے کر اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ایک مقام پر شبیب نے اس فوج کا زبردست مقابلہ کیا لیکن پھر میدان چھوڑ کر آرام لینے کے لیے کرمان چلا گیا۔ اب حجاج نے سفیان بن ابرد اور حکم بن ایوب والی بصرہ کو ایک آزمودہ کار لشکر دے کر اس کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ اہواز کے ساحل کے قریب ان کی شبیب سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ اس کے پاس بہت تھوڑے آدمی تھے لیکن وہ صبح سے شام تک بڑی بہادری سے مقابلہ کرتا رہا۔ اندھیرا زیادہ ہو گیا تو فریقین نے لڑائی سے ہاتھ روک لیے۔ شبیب نے رات گزارنے کے لیے دریا کو عبور کر کے دوسری سمت نکل کر جانا چاہا کہ عین پل کے وسط میں اس کا گھوڑا بدکا اور پانی میں گر پڑا۔ شبیب بھی پانی میں غوطے کھانے لگا۔ لوہے کی زرہ اور دوسرے جنگی اسلحہ نے تیرنا ناممکن بنا دیا اس وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے:

---

[1] ابن خلکان کا بیان ہے کہ غزالہ کے ساتھ جہیزہ بھی اسی لڑائی میں ماری گئی لیکن ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ وہ شبیب کی موت کے بعد بھی زندہ تھی۔

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا

جب غوطہ کھا کر ایک بار ابھرا تو اس کی زبان سے نکلا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے دریا کی پہنائیوں میں غرق ہو گیا۔ یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی لاش نکلوا کر سینہ چیرا گیا اور دل نکال کر دیکھا گیا تو وہ غیر معمولی جسامت کا اور پتھر کی طرح سخت تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے سینے میں دو دل پائے گئے۔

ابن اثیرؒ اور علامہ طبری کا بیان ہے کہ شبیب کی غرقابی کے وقت اس کی ماں جہیزہ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ کسی نے اس سے جا کر کہا کہ شبیب مارا گیا۔ اس نے کہا، شبیب اور مارا جائے؟ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ آخر جب دوسرے دن اسے بتایا گیا کہ وہ ڈوب کر مر گیا تو اس نے کہا، ہاں یہ ممکن ہے۔

مؤرخین نے جہیزہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ روم کی رہنے والی تھی اور شبیب کی ولادت سے پہلے اسے باندی بنا کر شام لایا گیا تھا۔ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر شبیب کے باپ یزید بن نعیم نے اسے خرید لیا اور اس سے شادی کر لی وہ اپنے شوہر پر جان چھڑکتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اسلام قبول کر لیا۔ شبیب اس کے بطن سے ۲۵ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ جب وہ بطن مادر میں تھا تو جہیزہ نے خواب میں دیکھا کہ اس سے ایک تارا نکلا جو زمین اور آسمان کے درمیان چمکنے لگا، پھر وہ پانی میں گر پڑا اور غائب ہو گیا۔ اس خواب کی تعبیر یہ دی گئی کہ اس کا بیٹا بڑی تیزی سے بام عروج پر پہنچے گا اور اس کی موت پانی میں ڈوبنے سے ہو گی ______ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ خواب سچا تھا۔

(تاریخ اسلام۔ تاریخ ملت۔ تاریخ خوارج، خواتین کی بہادری)

دوسری صدی ہجری

۱۔ حضرت رابعہ بصریؒ ——— (عارفہ)
۲۔ اخت المزنیؒ ——— (عالمہ)
۳۔ اُمِّ سفیان ثوریؒ ——— (عارفہ)
۴۔ بی بی امتہ الاسلامؒ ——— (عالمہ، عارفہ)
۵۔ بی بی رابعہ شامیہؒ ——— (عارفہ)
۶۔ شہزادی علیہ ——— (عالمہ و شاعرہ)
۷۔ بی بی کردیہؒ ——— (عارفہ)
۸۔ بی بی فاطمہ نیشاپوریؒ ——— (عارفہ)
۹۔ بی بی اُمِّ طلقؒ ——— (عارفہ)
۱۰۔ بی بی عکیمہ بنتِ حسان (عاقلہ فاضلہ)
۱۱۔ حضرت نفیسہؒ بنتِ حسنؓ ——— (عالمہ و عارفہ)
۱۲۔ اُمِّ یحییٰؒ ——— (عالمہ)
۱۳۔ بی بی شعوانہؒ ——— (عارفہ)
۱۴۔ ملکہ خیزران ——— (نیک طینت مخیّر)
۱۵۔ بی بی مریمؒ بصریہ ——— (عارفہ)
۱۶۔ شہزادی عباسہ ——— (عالمہ۔ دانا)
۱۷۔ خواہر سندی بن شاہک (نیکدل دانشمند)
۱۸۔ سیدہ عائشہؒ ——— (عالمہ، عارفہ)
۱۹۔ اُمِّ جعفر عتابہ (عالمہ، معارف پرور، مخیّر)
۲۰۔ ملکہ زبیدہ (رحمدل، مخیّر، علم دوست)
۲۱۔ بی بی اُمِّ احسانؒ ——— (عارفہ)
۲۲۔ بی بی حکیمہؒ ——— (عارفہ)
۲۳۔ لیلیٰ بنتِ طریف (بہادر خارجیہ۔ شاعرہ)

حضرت رابعہ بصریؒ یا رابعۃ العدویہؒ

ان کا شمار دوسری صدی ہجری کی شہرہ آفاق عارفات میں ہوتا ہے۔ قبیلہ قیس بن عدی کی ایک شاخ العتیق کی کنیز تھیں۔ اسی نسبت سے ان کو عدویہ اور القیسیہ کہا جاتا تھا۔ اپنی ظاہری اور باطنی خوبیوں کی بناء پر "اُمّ الخیر" کے لقب یا کنیت سے بھی شہرت پائی۔ ان کا ایک لقب "تاج الرّجال" بھی ہے۔

۹۵ھ ہجری (بروایت دیگر ۹۹ھ) میں بصرہ (عراق) کے ایک نہایت غریب گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام اسمٰعیل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے والدین کی چوتھی بیٹی تھیں اس لیے ان کا نام رابعہ (یعنی چوتھی لڑکی) مشہور ہو گیا۔ بچپن میں کسی شخص نے انہیں پکڑ کر فروخت کر دیا تھا اور وہ غلامی ہی کی حالت میں پلی بڑھیں۔ اپنے مالک کے گھر کا کام انجام دینے کے بعد جو وقت بچتا اس میں عبادت کرتی رہتیں۔ اُن کے مالک نے ان کی عبادت و ریاضت کو دیکھ کر انہیں آزاد کر دیا۔ بہت سے تذکرہ نویسوں نے ان کے حالاتِ زندگی بڑی تفصیل سے لکھے ہیں مگر ان میں خاصے تضادات پائے جاتے ہیں اور بعض سوالات جو ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، ان کے جوابات بھی نہیں ملتے۔ مثلاً ان کی تعلیم و تربیت کیسے ہوئی، انہوں نے طریقت اور سلوک کی راہ کیسے اختیار کی۔ کون سے شیوخ تھے جن سے انہوں نے کسبِ فیض کیا، کیا انہوں نے پردہ ترک کر دیا تھا یا پردے کے پیچھے بیٹھ کر مردوں سے گفتگو کرتی تھیں۔ کیا ایسا تو نہیں کہ انہوں نے بڑھاپے میں چہرے کا پردہ ترک کیا ہو اور مردوں نے اسی زمانے میں ان کے فیوض و برکات سے فائدہ اٹھایا ہو۔

بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت رابعہؒ نے تمام زندگی تجرّد کی

حالت میں گزار دی اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے شادی کر لی تھی اور ان کی اولاد بھی تھی مگر ادھیڑ عمر میں بیوہ ہو گئیں اور اس کے بعد دوسرا نکاح نہیں کیا۔ اولاد کے بارے میں بھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہرصورت بیشتر تذکرہ نگاروں نے ان کی عبادت و ریاضت، دانش و حکمت اور زہد و اتقا کی بہت تعریف کی ہے اور ان کی بے شمار کرامات بیان کی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ غلامی سے آزاد ہونے کے بعد وہ صحرا میں عزلت گزین ہو گئیں۔ معلوم نہیں عزلت گزینی کا زمانہ کتنے سالوں پر محیط ہے لیکن یہی وہ دور ہے جس میں انہوں نے سلوک و معرفت کی منزلیں طے کیں۔ اس کے بعد بصرے آ گئیں اور باقی ساری زندگی وہیں گزاری۔ بصرہ میں قیام کے بعد جلد ہی ان کے زہد و تقویٰ اور علم و معرفت کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق کسبِ فیض کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے ان میں اس دور کے بڑے بڑے مشائخِ طریقت، زہاد اور صلحاء بھی شامل تھے۔ تذکرہ نگاروں نے اس سلسلے میں امام سفیان ثوریؒ، حضرت مالک بن دینارؒ، حضرت شفیق البلخیؒ اور حضرت رباح القیسیؒ کے اسماء گرامی صراحت کے ساتھ لیے ہیں۔ بعض نے تو خواجہ حسن بصریؒ کا نام بھی لیا ہے لیکن یہ روایت بالکل غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ خواجہ حسن بصریؒ کی وفات (۱۱۰ھ) کے وقت حضرت رابعہؒ کی عمر صرف گیارہ یا چودہ سال کی تھی۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ حضرت رابعہؒ نے خواجہ حسن بصریؒ سے کسبِ فیض کیا ہو لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے کہ خواجہ حسنؒ جیسی بزرگ شخصیت نے بڑھاپے میں ایک نوخیز لڑکی سے اکتسابِ فیض کیا ہو۔

حضرت رابعہ بصریؒ کے ارشادات اور ملفوظات جو مختلف تذکروں میں نقل ہوئے ہیں، اُن کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار تھیں اور اس کی رضا کے سوا کسی چیز کی طلبگار نہ تھیں۔ ان کی اللہ سے محبت

بالکل بے غرض تھی۔ یہ خالص محبت صرف اس کی ذات کی خاطر تھی۔ لوگوں کو بھی وہ حق تعالیٰ سے ایسی ہی محبت کرنے کی تلقین کرتی تھیں۔ ان کی ایک مشہور دعا سے ان کے خیالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ دعا اس طرح منقول ہے:

"اے میرے مالک! اگر میں دوزخ کے ڈر سے تیری عبادت کرتی ہوں تو تُو مجھے دوزخ میں پھینک دے اور اگر میں جنّت کی خاطر تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے جنّت سے محروم کر دے لیکن اگر میں صرف تیری ہی خاطر تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھ کو اپنے دیدار سے محروم نہ کرنا۔"

ایک دفعہ کسی نے ان سے کہا کہ جو لوگ آپ سے اخلاص و عقیدت رکھتے ہیں آپ ان سے مدد کیوں نہیں مانگتیں؟ انہوں نے فرمایا۔ "میں تو دنیا کی چیزیں اُس سے بھی مانگتے ہوئے شرماتی ہوں جو ہر شے کا خالق اور مالک ہے پھر ان سے کیسے مانگوں جو کسی چیز کے (حقیقی) مالک نہیں۔"

ایک اور موقع پر فرمایا۔ "کیا اللہ تعالیٰ غریبوں کو ان کی غریبی کے سبب بُھلا دے گا یا امیروں کو ان کی دولت کی وجہ سے یاد رکھے گا؟ جب اس کو میرے حال کا علم ہے تو ایسی کون سی بات ہے جو میں اس کو یاد دلاؤں؟ جو کچھ اس کی رضا ہے وہی ہماری بھی مرضی ہونی چاہیے۔"

ایک دفعہ حضرت رابعہؒ نے ایک جوان کو سر پر پٹی باندھے ہوئے دیکھا۔ اس سے سبب پوچھا تو اس نے کہا، میرے سر میں درد ہے۔ انہوں نے پوچھا، تیری عمر کتنی ہے؟ اس نے کہا، تیس سال۔ پوچھا، کیا ان تیس سالوں میں پہلے بھی کبھی بیمار ہوا؟ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا ــــــ افسوس کہ تیس سال تم نے تندرستی کے شکر کی پٹی تو نہ باندھی لیکن صرف ایک دن کی بیماری میں شکایت کی پٹی باندھ لی۔

ایک دفعہ کسی نے ان سے پوچھا، کیا آپ اللہ کو دوست رکھتی ہیں؟ فرمایا،

بے شک میں اللہ کو دوست رکھتی ہوں۔ سوال کرنے والے نے پھر پوچھا، کیا آپ شیطان کو دشمن سمجھتی ہیں، فرمایا، اللہ کی محبت نے مجھے اس قدر مستغرق اور دارفتہ بنا رکھا ہے کہ مجھے شیطان کی دشمنی کی نہ پروا ہے اور نہ اتنی فرصت کہ اس طرف توجّہ دوں۔

ایک دفعہ بصرہ کے کچھ لوگ حضرت رابعہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے ـــــ "اے رابعہ مردوں کو کیوں ایسے مرتبے حاصل ہوئے جو عورتوں کو کبھی نہیں مل سکے۔ کیا اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اسی لیے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے مرتبۂ نبوّت پر ہمیشہ مردوں ہی کو فائز کیا اور اس اعزاز سے عورتوں کو ہمیشہ محروم رکھا۔"

حضرت رابعہؒ نے جواب دیا: "بھائیو! کیا تم نے کبھی سُنا ہے کہ کسی عورت نے آج تک خدائی کا دعویٰ کیا ہو۔ یہ استکبار بھی صرف مردوں ہی کے حصے میں آیا کہ انہوں نے خدائی تک کا دعویٰ کرنے سے گریز نہ کیا۔ رہی دوسری بات تو یہ درست ہے کہ اللہ نے کبھی کسی عورت کو مرتبۂ نبوّت پر فائز نہیں کیا، مگر یہ بھی تو سوچو کہ جتنے نبی، صدیق، شہید اور ولی ہوئے ہیں وہ عورتوں ہی کے بطن سے پیدا ہوئے، انہی کی گود میں تربیت پائی اور پروان چڑھے۔ کیا عورتوں کا یہ رتبہ کچھ کم ہے؟" یہ سن کر سب لوگ لاجواب ہو گئے۔

مختلف تذکروں میں اسی قسم کے لاتعداد واقعات حضرت رابعہ بصریؒ سے منسوب ہیں جن کو اگر جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن نہ ان سب کی صحت کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ کہا جا سکتا ہے اور نہ ان سب سے یکسر انکار کیا جا سکتا ہے۔ حضرت رابعہؒ نے حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رابعہؒ شعر و سخن سے بھی بہرہ ور تھیں۔ امام غزالیؒ نے "احیاء علوم الدین" میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں: ـــــــ

اُحِبُّكَ حُبَّيْنِ حُبَّ الْهَوٰى
وَحُبًّا لِاَنَّكَ اَهْلٌ لِذَاكَا

فَاَمَّا الَّذِىْ هُوَ حُبُّ الْهَوٰى
فَشَغْلِىْ بِذِكْرِكَ عَمَّنْ سِوَاكَا

وَاَمَّا الَّذِىْ اَنْتَ اَهْلٌ لَهٗ
فَكَشْفُكَ لِىْ الْحُجُبَ حَتّٰى اَرَاكَا

فَلَا الْحَمْدُ فِىْ ذَا وَلَا ذَاكَ لِىْ
وَلٰكِنْ لَكَ الْحَمْدُ فِىْ ذَا وَذَاكَا

(میں نے دو طرح تجھ سے محبت کی۔ ایک تو خود غرضانہ اور دوسری اس لیے کہ تو اس کے لائق ہے۔ خود غرضانہ محبت یہ ہے کہ ما سوا سے میری آنکھیں بند ہوتی ہیں لیکن اس محبت میں جو تیری شان کے شایان ہے، تو کشف حجاب کرتا ہے تاکہ میں تیرے جمال کا مشاہدہ کر سکوں۔ ان دونوں صورتوں میں کسی میں بھی میں تعریف کی مستحق نہیں ہوں البتہ دونوں صورتوں میں سب تعریفوں کے لائق تو ہی ہے)

"دائرہ معارف اسلامیہ" کے مطابق حضرت رابعہ بصریؒ نے ۱۸۵ھ/۸۰۱ء میں بصرہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئیں۔ لیکن "مشاہیر نسواں" میں سید امیر علی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ۱۳۵ھ میں وفات پائی اور "جبل الطیر" نامی پہاڑ میں جو بیت المقدس کے مشرق میں واقع ہے، دفن ہوئیں۔ ان کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ بیشتر تذکرہ نگاروں نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

(مشاہیر نسواں، نفحات الانس، مشاہیر النساء، تذکرۃ الاولیاء، شرف النساء، دائرہ معارف اسلامیہ، احیاء علوم الدین)

بی بی اخت المزنیؒ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد شیخ ابو ابراہیم المزنیؒ کی بہن تھیں اور علم فقہ میں یکتائے زمانہ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امام شافعیؒ کے مسئلہ زکوٰۃ معدن میں تغیر و تبدل کیا ہے اور ایک شرط کا اس میں اضافہ بھی کیا ہے۔ (مشاہیر نسواں)

اُمِّ سفیان ثوریؒ

حضرت سعید بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ اور تبع تابعین کے گل سرسبد حضرت امام سفیان ثوریؒ (المتوفی ۱۶۱ھ) کی والدہ تھیں۔ شوہر حضرت سعید بن مسروقؒ بہت اونچے درجے کے عالم تھے اور حدیثِ نبوی کی تحدیث و روایت میں معروف تھے۔ وہ خود بھی بہت نیک سیرت اور صاحبِ علم خاتون تھیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار رات کو آسمان پر نگاہ اٹھائی تو یوں محسوس ہوا کہ میرا دل پہلو میں نہیں ہے۔ اس کا ذکر میں نے اپنی والدہ سے کیا تو انہوں نے فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آسمان پر عبرت پذیری اور غور و فکر کی غرض سے نگاہ نہیں ڈالی بلکہ تمہارا مقصد صرف تفریح تھا۔"

حضرت سفیان ثوریؒ کے والدین کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی جو ان کے حصولِ علم کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو رہی تھی مگر اُمِّ سفیانؒ کے جذبۂ دینی اور ہمتِ مردانہ نے اس کو دور کر دیا۔ ایک دن انہوں نے حضرت سفیانؒ کو حصولِ علم کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

"یا بُنَیَّ اطلب العلم وانا اکفیک بمغزلی"

(اے میرے بیٹے تم حصولِ علم میں مشغول رہو، میں چرخہ کات کر تمہارے اخراجات پورے کر دوں گی)

اُمِّ سفیانؒ نے بیٹے کو صرف حصولِ علم ہی کی ترغیب نہیں دی بلکہ ان کو یہ نصیحت بھی کی کہ یہ علم ان کے اخلاق و کردار کو سنوارنے کا سبب ہو، ان

کے بگاڑنے کا باعث نہ ہو۔ وہ عبادت ہو، تجارت نہ ہو، ان کا یار ہو مار نہ ہو۔
چنانچہ ایک بار بڑی دلسوزی سے نصیحت کی کہ:

"بیٹے جب تم دس حرف لکھ چکو تو دیکھو کہ تمہاری چال ڈھال اور علم و وقار میں کوئی اضافہ ہوا یا نہیں اگر کوئی اضافہ نہیں ہوا تو علم نے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ (تبع تابعین)

بی بی امۃ الاسلامؒ

دوسری صدی ہجری میں مشہور عالمہ و فاضلہ گزری ہیں۔ بقول مؤلف سفینتہ الاولیاء ۱۱۸ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام قاضی ابوبکر بن کامل بن خلف تھا۔ بی بی امۃ الاسلام نے اپنے وقت کے سرآمدِ روزگار عالم شیخ محمدؒ اسماعیل بصلانیؒ سے تمام علومِ ظاہری حاصل کیے اور پھر علومِ طریقت میں بھی درجۂ کمال حاصل کیا۔ انہوں نے ماہ رجب ۱۹۵ھ میں وفات پائی۔

(مشاہیرِ نسواں)

بی بی رابعہ شامیہؒ

شیخ احمد بن ابی الحواریؒ المتوفی ۲۰۳ھ ہجری کی اہلیہ تھیں۔ نہایت پرہیزگار اور عابدہ و زاہدہ تھیں۔ بی بی حکیمہؒ کی شاگرد تھیں اور ان سے کسبِ فیض کر کے خود بھی زمرۂ عارفات میں شامل ہو گئی تھیں۔ بی بی حکیمہؒ کی طرح ان کو بھی دوسری صدی ہجری کی اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان پر ہمیشہ محبت الٰہی اور

خوف کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں اور فی البدیہہ عارفانہ اشعار کہا کرتی تھیں۔

کشف و کرامات کے کئی واقعات بھی ان سے منسوب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن ان کے سامنے کھانے کا ایک طشت رکھا گیا! انہوں نے خادمہ سے کہا کہ اس طشت کو میرے سامنے سے ہٹا لے مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج خلیفۃ المسلمین نے وفات پائی۔ بعد میں اس بات کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعی اس دن امیر المؤمنین ہارون الرشید نے وفات پائی تھی۔

ایک دن وہ اپنی استاد بی بی حکیمہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے فرمایا: "رابعہ! میں نے سنا ہے کہ تیرا شوہر احمد بن ابی الحواری دوسری شادی کرنے کی فکر میں ہے۔"

بی بی رابعہؒ نے کہا: جی ہاں۔

بی بی حکیمہؒ نے فرمایا: "میں حیران ہوں کہ ایسا عالم اور دانا ہو کر وہ دو عورتوں کی محبت کو کیونکر اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور خدا کی محبت سے دل پھیرتا ہے۔"

بی بی رابعہؒ نے کہا: کیا آپ کو یہ آیت یاد نہیں اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

بی بی حکیمہؒ نے فرمایا: کیا تم اس کا مطلب بھی صحیح طرح جانتی ہو؟

بی بی رابعہؒ نے کہا: نہیں۔

بی بی حکیمہؒ نے فرمایا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ حاضر ہونے والا اپنے معبود کے روبرو حاضر ہو اور اس کے دل میں سوائے اس کے اور کسی کا خیال نہ ہو۔"

بی بی رابعہؒ کہتی ہیں کہ حضرت حکیمہؒ کی بات کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ ہمیشہ یادِ خدا میں محو رہتی تھی اور لوگوں سے چھپتی پھرتی تھی کہ مبادا وہ مجھے دیوانہ خیال کریں۔

(نفحات الانس)

شہزادی علیّہ

تیسرے عباسی خلیفہ مہدی (۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ) کی بیٹی اور پانچویں عباسی خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) کی علّاتی بہن تھی۔ والدہ کا نام مکنونہ تھا۔ والد نے اس کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ چنانچہ اس نے قرآن و حدیث کی تعلیم بھی پائی اور دوسرے علوم متداولہ میں بھی اعلیٰ درجے کی دسترس حاصل کی۔ شعر و سخن کا خاص ذوق رکھتی تھی اور موسیقی سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ اس کی زندگی پر نظر ڈالیں تو وہ دین اور دنیا کا عجیب امتزاج دکھائی دیتی ہے۔ ایک طرف تو وہ بڑی پرہیزگار اور پابندِ صوم و صلوٰۃ تھی۔ فجر کی نماز کے بعد بلا ناغہ نہایت خوش الحانی سے تلاوتِ قرآن کیا کرتی تھی پھر مطالعۂ کتب میں مشغول ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف وہ فالتو وقت میں کمرہ بند کر کے موسیقی سے جی بہلایا کرتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت خوش آواز تھی۔ نہ صرف سخن فہم تھی بلکہ خود بھی ایک نغز گو شاعرہ تھی۔ اس کے اشعار نہایت فصیح و بلیغ ہوتے تھے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کمال درجے کے حُسنِ صورت سے نوازا تھا لیکن اس کے ماتھے پر ایک مَسّہ تھا جو بہت بدنما معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اس عیب کو چھپانے کے لیے سونے کا ایک بدر نما زیور بنوایا جس پر قیمتی ہیرے اور لعل جڑے گئے تھے یہ زیور اس قدر مقبول ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں دنیا کے بہت سے ملکوں میں اس کا رواج ہو گیا۔ آج کل مشرقی ممالک کی دوشیزائیں "جھومر" نام کے جس زیور سے اپنا ماتھا سجاتی ہیں وہ شہزادی علیّہ ہی کی ایجاد اور یادگار ہے۔

شہزادی علیّہ نے اپنے بھتیجے مامون الرشید کے عہدِ خلافت

(۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) کے دوران پچاس برس کی عمر میں وفات پائی۔

(عقد الفرید۔ مشاہیر نسواں

روزنامہ "کوہستان" لاہور ۲۰ مارچ ۱۹۶۴ء)

بی بی کردیہؒ

بصرہ یا اہواز کی رہنے والی تھیں اور بی بی شعوانہؒ کی خاص شاگرد تھیں عبادت و ریاضت میں بہت انہماک تھا اور اپنے دَور کی خدا رسیدہ خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔

بی بی کردیہؒ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت شعوانہؒ کی خدمت میں حاضر تھی۔ اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں وہیں سو گئی۔ حضرت شعوانہؒ نے مجھ کو جھنجوڑ کر جگایا اور فرمایا:

"اے کردیہ! یہ سونے کی جگہ نہیں ہے سونے کی اصل جگہ تو گورستان ہے۔"

کردیہؒ کا بیان ہے کہ حضرت شعوانہؒ کی صحبت بابرکت سے میرا دل دنیا کی محبت سے خالی ہو گیا اور دنیا پرست میری نگاہ میں حقیر ہو گئے مجھ کو روزی کی مطلق فکر نہ رہی۔ میرے دل میں مسلمانوں سے بڑی محبت پیدا ہو گئی اور میں کسی بھی مسلمان کو خواہ اس کی دُنیوی حیثیت کتنی ہی معمولی ہوتی، حقیر نہ سمجھتی تھی۔

(نفحات الانس)

بی بی فاطمہ نیشاپوریؒ

بی بی فاطمہ خراسان (ایران) کے شہر نیشاپور کی رہنے والی تھیں۔ معرفتِ الٰہی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت ذوالنون مصریؒ جیسے بزرگوں نے ان کے فضائل و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔

بی بی فاطمہؒ طویل مدت تک بیت اللہ شریف میں مقیم رہیں۔ اس دوران میں خانۂ کعبہ کی جو خدمت بن آتی تھیں، کرتی تھیں۔ اس زمانے میں ان سے بڑے بڑے علماء اور اولیاء نے کسبِ فیض کیا۔ انہیں قرآن کریم کی تفسیر اور مطالب بیان کرنے میں ایسا کمال حاصل تھا کہ جو سنتا تھا عش عش کر اٹھتا تھا۔ عبادتِ الٰہی سے اس قدر شغف تھا کہ فرض نمازوں کے علاوہ ساری ساری رات نوافل پڑھنے میں گزار دیتی تھیں۔ لباس بہت معمولی ہوتا تھا اسی طرح کھانا بھی بالکل سادہ ہوتا تھا وہ بھی شاید ہی کبھی پیٹ بھر کر کھایا ہو۔ عقیدت مند بہترین ملبوسات اور کھانے پیش کرتے مگر وہ سب غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ وہ لوگوں کو تلقین کیا کرتی تھیں کہ تمہارے ہر نیک عمل میں خلوص کار فرما ہونا چاہیے۔ تمہارا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہو اور اسے کرتے وقت تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں ایک باکمال دیکھی ہے اور وہ فاطمہ نیشاپوری ہے۔ جس مقام اور مسئلہ کے بارے میں ان سے گفتگو کی، ان کو اس سے آگاہ پایا۔

بی بی فاطمہؒ کو اگر کبھی سفر کا اتفاق پیش آتا تو وہ بالعموم بیت المقدس

کا سفر ہوتا۔ وہ بیت المقدس جاکر وہاں سے واپس مکہ معظمہ آجاتیں اور کسی جگہ ان کا دل نہ لگتا تھا۔ اس عارفہ نے ۲۲۳ھ ہجری میں وفات پائی۔" (نفحات الانس۔ شرف النساء)

بی بی اُمِّ طلق رح

بی بی اُمِّ طلق رح دوسری صدی ہجری میں نہایت عبادت گزار اور خدا رسیدہ خاتون گزری ہیں۔ نماز کے معاملے میں ان کا ذوقِ عبادت انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ محمدؒ بن سنان باہلی شعبہ بن دخانؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اُمِّ طلق رح دن رات میں چار سو نوافل پڑھتی تھیں، اور مقدور بھر تلاوتِ قرآن بھی کرتی تھیں۔

تبع تابعین کی مقدس جماعت کے مشہور بزرگ حضرت سفیان بن عیینہ رح (متوفی ۱۹۸ھ) بی بی اُمِّ طلق رح کے ہم عصر تھے اور گاہے گاہے کسبِ فیض کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن اُمِّ طلق رح نے ان سے فرمایا: "اے سفیانؒ! تم قرآن مجید کی تلاوت کس خوش الحانی سے کرتے ہو لیکن ڈرتے رہو کہ کہیں یہی چیز قیامت کے دن تمہارے لیے وبال نہ ہو جائے۔" حضرت سفیانؒ یہ سن کر رونے لگے یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے۔

عاصم جحدریؒ کا بیان ہے کہ اُمِّ طلقؒ فرمایا کرتی تھیں کہ انسانی دل بادشاہ ہے اگر تم اس کو قابو میں رکھو اور یہی غلام ہے اگر تم اس کی پیروی کرو۔

ابنِ رومی کہتے ہیں کہ میں اُمِّ طلق کے گھر گیا۔ ان کے گھر کی چھت بہت نیچی تھی۔ میں نے کہا، اُمِّ طلق تمہارے گھر کی چھت کس قدر نیچی ہے۔ فرمایا، حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو لکھا تھا کہ اپنی عمارتیں اونچی نہ بناؤ۔ جب تم اپنی عمارتیں اونچی بنانے لگو گے تو وہ تمہارا بدترین زمانہ ہو گا۔

(طبقات ابنِ سعد۔ صفۃ الصفوۃ لابن جوزی جلد ۴ ص ۳۴)

بی بی عُلَیَّہؒ بنت حسان

دوسری صدی ہجری کے سر آمدِ روزگار محدّث امام اسمٰعیلؒ[1] بن عُلَیَّہ کی والدہ تھیں۔ بصرہ میں بنو شیبان کی باندی تھیں۔ امام اسمٰعیلؒ کے والد ابراہیم بن مقسم کوفہ میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور کاروبار کے سلسلے میں ان کی آمد و رفت بصرہ میں بھی رہتی تھی۔ وہیں انہوں نے بی بی عُلَیَّہؒ کو بنو شیبان سے لے کر ان سے نکاح کر لیا۔ عُلَیَّہ نہایت شریف الطبع، دانشمند اور عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔ فقہ و حدیث وغیرہ میں ان کو ایسا کمال حاصل تھا کہ علامہ خطیب بغدادیؒ کے بیان کے مطابق: علامہ صالح المری اور بصرہ کے دوسرے بڑے بڑے علماء اور فقہاء ان کے مکان پر آ کر ان سے علمی اور فقہی مسائل میں گفتگو کرتے تھے امام اسمٰعیلؒ ان کے بطن سے ۱۱۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت

---

[1] امام اسمٰعیل بن عُلَیَّہؒ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳ھ میں فوت ہوئے ان کے علم و فضل پر سب اہلِ سیَر کا اتفاق ہے۔ ان کے دادا مقسم قیقان (قلات) کی ایک لڑائی میں پکڑے گئے (گویا امام اسمٰعیلؒ کے آباؤ اجداد کا وطن پاکستان تھا) والد ابراہیم بن مقسم عبدالرحمٰن بن قطبۃ الاسدی کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے۔ اربابِ سیَر نے امام اسمٰعیلؒ کو ریحانۃ الفقہاء، سیّد المحدّثین، العلاّمہ اور اَحدُ الاسلام کے القاب سے یاد کیا ہے۔ ان کو علمِ حدیث میں خاص کمال حاصل تھا اور یہ علم انہوں نے اپنے دور کے متعدد نامور ائمۂ حدیث سے حاصل کیا تھا۔ امام منذرؒ، امام ابو داؤدؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ذہبیؒ اور ابن المدینیؒ جیسے عظیم المرتبت بزرگ بھی ان کی ثقاہت اور فضل و کمال کے معترف اور مداح ہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

نہایت عمدگی سے کی اور اُن کو بصرہ کے ائمۂ حدیث کے پاس بھیج کر اعلیٰ تعلیم دلائی۔ علامہ عبدالوارث جوادیؒ جو اس دَور کے مشہور محدّث تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک دن عُلیّہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو لے کر میرے پاس آئیں اور کہا:

"یہ میرا فرزند ہے اس کو اپنے ساتھ رکھا کیجئے تاکہ یہ آپ کی سی خو بو پیدا کرے۔"

امام اسمٰعیلؒ اپنے والد ابراہیم کے بجائے اپنی والدہ کے نام کی نسبت سے ابنِ عُلَیّہ مشہور ہوئے۔ اس کا ایک سبب تو ان کی والدہ کا غیر معمولی علم و فضل تھا اور دوسرا یہ کہ ان کی والدہ نے ان کو تعلیم دلانے کے لیے بڑی تگ و دو کی تھی۔ بی بی عُلَیّہ شادی کے بعد بھی بالاستقلال بصرہ ہی میں مقیم رہیں۔ ان کے ایک اور بیٹے ربعی بن ابراہیم تھے جو امام اسمٰعیلؒ کے بعد پیدا ہوئے وہ بھی بہت بڑے عالم اور محدّث تھے اور ماں کی نسبت سے انہیں بھی ربعی بن عُلیّہ کہا جاتا تھا۔ اس خاندان میں صدیوں تک فقہاء و محدثین پیدا ہوتے رہے۔

(غلامانِ اسلام ۔ خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

فقہ میں بھی ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان پر اکثر خشیتِ الٰہی کا غلبہ رہتا تھا اور ہنسنے بلکہ مسکرانے سے بھی گریز کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے دس سال میں ان کو ایک مرتبہ بھی ہنستے نہیں دیکھا۔ نہایت عبادت گزار تھے اور قرآنِ حکیم کی تلاوت بڑے شوق سے کیا کرتے تھے۔ فقہ و حدیث میں انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں چار کے نام معلوم ہیں، کتاب التفسیر، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ اور کتاب المناسک۔ ان کے دو صاحبزادے ابو اسحاق ابراہیمؒ اور حمادؒ تھے۔ یہ دونوں بھی اپنے عہد کے مشہور محدّث تھے۔

(غلامانِ اسلام ۔ خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان)

حضرت نفیسہؒ بنت حسنؒ

حضرت نفیسہؒ بنت حسنؒ کا شمار دوسری صدی ہجری کی سر آمدِ روزگار عالمات عارفات میں ہوتا ہے۔ وہ حضرت حسنؒ بن زیدؒ بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی اور حضرت اسحٰقؒ بن جعفر صادقؒ بن محمدؒ باقرؒ بن علی زین العابدینؒ بن حسینؓ بن علیؓ کی اہلیہ تھیں۔ ۱۴۵ھ (بروایتِ دیگر ۱۳۴ھ) میں پیدا ہوئیں۔ اہل بیت کے تقویٰ شعار گھرانے میں پلی بڑھیں اور جملہ محاسنِ اخلاق کا پیکرِ جمیل بن گئیں۔ سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا پھر تفسیر حدیث اور دوسرے علوم دینی میں کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد اپنا بیشتر وقت عبادت و ریاضت میں گزارنے لگیں۔ سنِ بلوغت کو پہنچیں تو ان کی شادی اپنے ابنِ عم اسحٰقؒ بن جعفر صادقؒ سے ہوگئی وہ بھی نہایت عابد و زاہد نوجوان تھے۔ انہوں نے مدت تک مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں قیام کیا، اس دوران میں بے شمار تشنگانِ علم نے ان کی جوئے علم سے اپنی پیاس بجھائی اور وہ "نفیسۃ العلم والمعرفت" کے لقب سے مشہور ہوگئیں۔

چند سال کے بعد وہ اپنے شوہر نامدار کے ساتھ مدینہ منورہ سے مصر چلی گئیں اور وہیں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ مصر جاکر ان کی عبادت و ریاضت میں اور اضافہ ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھیں خشیتِ الٰہی سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی تھیں۔ زبان اکثر توبہ و استغفار میں مشغول رہتی تھی۔ نمازِ تہجد کا خاص التزام تھا۔ زندگی میں تیس مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ حج کے موقع پر مسجد حرام میں داخل ہوکر خانۂ کعبہ کا طواف کرتیں تو تلبیہ کے وقت زار و قطار روتی جاتیں پھر غلاف کعبہ کے ساتھ لپٹ کر خوب روتیں اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ یہ دعا مانگتیں۔

"الٰہی تو ہی میرا آقا و مولا ہے میں ناچیز بندی تیری رضا چاہتی ہوں۔ تو مجھے ایسا کر دے کہ میں تیری رضا پر راضی رہوں"!

حضرت امام شافعیؒ سیدہ نفیسہؒ کے ہمعصر تھے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف علمی مسائل پر گفتگو کرتے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام موصوفؒ نے علم حدیث میں سیدہ نفیسہؒ سے استفاضہ کیا۔ دونوں ایک دوسرے کے مرتبہ شناس اور قدردان تھے۔ امام شافعیؒ نے ۲۰۴ھ میں اپنی وفات سے پہلے وصیت کی کہ میرا جنازہ سیدہ نفیسہؒ کے گھر کے سامنے سے گزارا جائے۔ چنانچہ جب ان کا جنازہ سیدہ کے گھر کے سامنے پہنچا تو انہوں نے گھر کے اندر ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

حضرت نفیسہؒ سے بہت سی کرامات منسوب ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کے علم و فضل زہد و اتقا اور کرامات کی وجہ سے اہلِ مصر ان کے بہت معتقد تھے اور آج تک ان کی عقیدت کا یہی عالم ہے۔ ۲۰۸ھ میں حضرت نفیسہؒ نے وفات پائی تو ان کے شوہر نے ارادہ کیا کہ سیدہ کی میت مدینہ لے جا کر دفن کریں لیکن اہلِ مصر رو رو کر ہلکان ہو گئے۔ بار بار حضرت اسحٰقؒ سے التجائیں کرتے تھے کہ سیدہ کی میت کو مصر سے نہ لے جائیں آخر انہوں نے ان کی درخواست قبول کر لی اور سیدہ نفیسہؒ کی آخری آرامگاہ قاہرہ کے قریب بنائی گئی۔ ان کا مزار "مشہدِ نفیسہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر سیدہ نفیسہؒ کے عقیدتمندوں کا ہجوم رہتا ہے۔

حضرت نفیسہؒ کی وفات کا واقعہ بھی بڑا ایمان افروز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ رمضان المبارک کے مہینے میں قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہی تھیں کہ اچانک ضعف غالب ہوا اور نبض ڈوبنے لگی۔ سب نے اصرار کیا کہ روزہ توڑ ڈالیں لیکن انہوں نے فرمایا، تیس سال سے میری یہ آرزو تھی کہ میں روزے کی حالت میں اپنے خالق کے حضور جاؤں، اب یہ آرزو پوری ہونے کو ہے تو روزہ کیوں توڑ دوں۔ یہ فرما کر قرآن کریم کی آیات پڑھتے پڑھتے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ (مشاہیر نسواں۔ ابنِ خلکان وغیرہ)

اُمّ یحییٰؒ ۔ قرآنِ حکیم کی ایک گمنام عالمہ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں[۱] کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا۔ اثنائے سفر میں مجھے ایک بوڑھی خاتون ایک مقام پر بیٹھی ہوئی ملی اس نے اون کا کرتا پہن رکھا تھا اور اون ہی کی اوڑھنی اوڑھ رکھی تھی میں نے اس کے پاس جاکر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

خاتون نے جواب میں کہا: سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یٰسین۔۵۸)

میں نے پوچھا: "اللہ تم پر رحم کرے یہاں کیا کر رہی ہو؟"

خاتون: مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ" (الاعراف ۔ ۱۸۶)

(جسے اللہ گمراہ کر دے اس کو راہ بتانے والا کوئی نہیں)

---

[۱] حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارکؒ تبع تابعین کی اس مقدس جماعت کے گلِ سرسبد ہیں جس کا ہر فرد اپنی ذات میں دین کا ستون اور زمانہ کا امام تھا۔ وہ ۱۱۸ھ میں مرد (MERV) میں پیدا ہوئے۔ والد مبارک آزاد کردہ غلام تھے اور نہایت متقی آدمی تھے۔ انہوں نے فرزندِ دلبند کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا۔ جب وہ مرد میں فارغ التحصیل ہوچکے تو مزید تعلیم کے لیے سالہا سال تک مختلف ملکوں اور شہروں (شام، عراق، یمن، مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ) میں گھومتے رہے۔ اس دوران میں انہوں نے اپنے عہد کے سرآمدِ روزگار علماء سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے شیوخ میں سرِفہرست حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ ہیں۔ ان کے علاوہ امام مالکؒ، امام اعمشؒ، حضرت ہشام بن عروہؒ، امام لیث بن سعدؒ، حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ، حضرت حماد بن سلمہؒ، سلیمان التیمیؒ اور سفیان بن عیینہؒ جیسے فضلائے امت

(باقی اگلے صفحہ پر)

میں نے خیال کیا کہ وہ راستہ بھول گئی ہے (یا اپنے قافلے سے بچھڑ گئی ہے)
چنانچہ اس سے پوچھا: "تمہارا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟"
خاتون: سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ (بنی اسرائیل - ۱)
(پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجدِ حرام (بیت اللہ۔ مکہ معظمہ) سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) لے گئی)
میں سمجھ گیا کہ وہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو چکی ہے اور اب بیت المقدس (یروشلم) جانا چاہتی ہے ــــ اب میں نے پوچھا:
کب سے یہاں بیٹھی ہو؟
خاتون: ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا (مریم - ۱۰)
(پوری تین راتیں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بھی ان کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:
"ابن المبارک کے زمانے میں ان سے زیادہ علم کی تلاش کرنے والا کوئی نہیں تھا۔"
(تہذیب التہذیب)
حضرت عبداللہ بن مبارکؒ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت و مغازی اور دوسرے دینی علوم کے علاوہ دنیوی علوم زبان و ادب، نحو و بلاغت، لغت و شاعری وغیرہ کے بھی بحرِ زخّار تھے۔ گویا ان کی ذات دینی اور دنیوی علوم کی جامع تھی یہاں تک کہ علمِ طب بھی ان کی دسترس سے باہر نہیں تھا۔
ایک دفعہ کسی شخص نے امام سفیان ثوریؒ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو "یا عالم المشرق" کہہ کر خطاب کیا۔ انہوں نے فرمایا "کیا کہہ رہے ہو ــــ وہ تو عالم المشرق والمغرب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زبردست قوتِ حافظہ عطا کی تھی۔
(باقی اگلے صفحہ پر)

میں نے کہا: "تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔
یہ وقت تم نے کیونکر گزارا؟"

خاتون: هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ (الشعراء - ۷۹)

(وہی (اللہ) مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی اللہ میرے رزق کا بندوبست کردیتا ہے)

میں نے پوچھا: "وضو کیسے کرتی ہو؟"

خاتون: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدہ - ٦)

(نہ پاؤ پانی تو پاک مٹی سے تیمم کرلو)

مطلب یہ کہ پانی نہیں ملتا تو تیمم کرلیتی ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

بقول علامہ ابن سعدؒ وہ معتبر تھے، حجت تھے، کثیر الحدیث تھے اور اس قابل تھے کہ ان کے قول کو سند تسلیم کیا جائے۔ فقہ میں اتنا بلند مقام حاصل تھا کہ ان کی موجودگی میں بڑے بڑے علماء و فقہاء مسئلہ بتانے سے احتراز کرتے تھے۔ وہ عبادت و ریاضت، زہد و ورع، سخاوت، امانت و دیانت اور حسنِ معاشرت کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں اسمٰعیل بن عیاشؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روئے زمین پر عبداللہ بن مبارکؒ جیسی کوئی شخصیت نہیں ہے اور میری دانست میں کوئی اچھی خصلت ایسی نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں ودلیعت نہ کردیا ہو۔ بعض اربابِ سیر نے انہیں اولیاء اللہ میں شامل کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مستجاب الدعوات اور صاحبِ کرامات تھے۔

بہرصورت وہ شریعت و طریقت کے مرج البحرین تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بہت سے حج کیے۔ شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ جب بھی موقع ملتا میدانِ جہاد میں پہنچ جاتے اور سر دھڑ کی بازی لگا کر کفار کے خلاف دادِ شجاعت دیتے۔ عادات و اخلاق میں وہ صحابہ کرامؓ کا نمونہ تھے۔ کتبِ حدیث میں ان سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

میں نے پوچھا: "میرے پاس کھانا ہے، کھاؤ گی؟"
خاتون:۔ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (البقرہ - ۱۸۷)
(روزوں کو رات تک پورا کرو)
مطلب یہ کہ میں روزے سے ہوں۔
میں نے کہا: "یہ رمضان المبارک کا مہینہ تو نہیں ہے؟"
خاتون:۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (البقرہ - ۱۵۸)
(جو بطور نفل کے نیک کام کرے تو اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے)
مطلب یہ کہ میرا نفلی روزہ ہے۔
میں نے کہا: "سفر کی حالت میں تو فرض (رمضان کا) روزہ نہ رکھنے کی بھی اجازت ہے۔"
خاتون:۔ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ - ۱۸۴)
(اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے حق میں بہتر ہو بشرطیکہ تم کو ثواب کا علم ہو۔)
میں نے کہا: "جس طرح میں تم سے باتیں کر رہا ہوں تم اس طرح کیوں مجھ سے باتیں نہیں کرتیں۔"
خاتون:۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (قٓ - ۱۸)
(انسان جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے اس پر ایک نگہبان فرشتہ مقرر ہے)
مطلب یہ کہ انسان کو اپنی ہر بات کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مروی احادیث کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اپنی روایات میں اسناد کا خاص خیال رکھتے تھے۔
رمضان المبارک ۱۸۱ھ میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے شام جا رہے تھے کہ ہیت کے مقام پر مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس
(باقی اگلے صفحہ پر)

میں نے پوچھا: "تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟"

خاتون: لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل-۳۶)

(جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔ بلاشبہ کان آنکھوں اور دل سب سے باز پرس ہو گی۔)

مطلب یہ کہ ایسی باتوں سے کان اور دل کو آلودہ نہ کرو جن کا جواب دینا پڑے۔

میں نے کہا: "معاف کرنا مجھ سے غلطی ہوئی۔"

خاتون: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (یوسف-۹۲)

(آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے)

میں نے کہا: "اگر تم چاہو تو میں تم کو اپنی اونٹنی پر بٹھا کر لے چلوں اور جہاں چاہو وہاں پہنچا دوں۔"

خاتون: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (البقرہ-۱۹۷)

(اور نیکی کا کام جو تم کرو گے، اللہ اس کو جانتا ہے)

میں یہ سن کر اونٹنی اس کے قریب لے گیا، اسے بٹھایا اور خاتون سے کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ۔ مگر وہ سوار ہونے سے پہلے بولی:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور-۳۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی تھی۔ مقامِ وفات اگرچہ ایک دور افتادہ مقام تھا لیکن جنازے پر اس قدر ہجوم ہوا کہ چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کی وفات کی خبر سنی تو بے ساختہ کہا "افسوس علماء کے سردار کا انتقال ہو گیا۔" ابن مبارک رح نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ لیکن ان میں سے "کتاب الزہد والرقائق" کے سوا اکثر نایاب ہیں۔

(مومنوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)
مطلب یہ کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو یا منہ پھیر کر کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں بلا جھجک سوار ہو جاؤں۔
چنانچہ میں نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اور اس سے کہا: "لو اب سوار ہو جاؤ۔" جب وہ خاتون سوار ہونے لگی تو اچانک اونٹنی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی اوڑھنی کجاوے سے الجھ کر پھٹ گئی۔ میں نے اس پر اظہارِ افسوس کیا تو وہ بولی:
مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ-۳۰)
(تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور اللہ بہت سی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے)
یعنی اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہے۔
میں نے کہا: "ذرا ٹھہرو، میں اونٹنی کے پاؤں باندھ دوں تاکہ تم اطمینان سے سوار ہو سکو۔"
خاتون: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (الانبیاء-۷۹)
(پس ہم نے سمجھا دیا سلیمانؑ کو)
یعنی اونٹنی کے پاؤں ضرور باندھو یہ اسی طرح سمجھے گی۔
میں نے اونٹنی کے پاؤں باندھے اور اس سے کہا، اب سوار ہو جاؤ۔ وہ سوار ہو گئی اور یہ آیت پڑھی:
سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۔ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۔ (الزخرف - ۱۳/۱۴)
(پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا مطیع کیا اور ہم اس کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور بے شک ہم سب اپنے پروردگار

کی طرف لوٹنے والے ہیں)

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور اس کو ہنکاتے ہوئے چل پڑا۔ میری رفتار بھی تیز تھی اور جوش میں میری آواز بھی بہت بلند ہو گئی۔ اس پر وہ خاتون بولی:

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ (لقمٰن۔۱۹)

(اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لو اور اپنی آواز کو پست رکھو)

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور ساتھ ہی حُدی خوانی کرنے لگا۔ اس پر خاتون نے کہا: ـــــــ

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزّمّل۔۲۰)

(پڑھو جتنی توفیق ہو قرآن سے)

مطلب یہ کہ اس حدی خوانی سے بہتر ہے کہ قرآنِ پاک سے کوئی رکوع پڑھو۔

میں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سی خوبیاں دی ہیں سب لوگ تم جیسے کس طرح بن جائیں۔ اس پر وہ بولی: ـــــــ

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ (آل عمران۔۷)

(یعنی صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)

پھر میں نے چلتے چلتے اس سے پوچھا: "کیا تمہارا شوہر بھی ہے؟"

اس نے کہا: ـــــــ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المآئدہ۔۱۰۱)

(اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار معلوم ہوں)

اب میں خاموش ہو گیا اور چلتے چلتے قافلے کے قریب جا پہنچا۔ میں نے خاتون سے پوچھا: "کیا قافلے میں آپ کا کوئی قرابت دار ہے؟"

اس نے کہا :—

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (الکہف-۴۶)

(مال اور بیٹے دُنیوی زندگی کی زینت ہیں)

میں نے سمجھ لیا کہ قافلے میں اس کے بیٹے موجود ہیں۔ میں نے پوچھا: "کوئی نشانی ہو تو بتاؤ تاکہ میں ان کو تلاش کروں۔"

وہ بولی :—

وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (النحل-۱۶)

(یعنی علامتیں ہیں اور ستارے ہی سے وہ راستہ پاتے ہیں)

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلے کے رہبر ہیں۔ چنانچہ میں اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے قافلے میں چکر لگانے لگا اور اس سے کہا کہ اپنے بیٹوں کو ڈھونڈے۔

وہ بولی :—

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا (النسآء-۱۲۵) وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النسآء-۱۶۴) يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔ —(مریم-۱۲)

(اور بنایا اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست اور بات کی موسیٰؑ سے اچھی طرح' اے یحییٰ پکڑ لو کتاب کو مضبوطی سے)

مطلب یہ کہ تم ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ کے نام لے کر آواز دو۔

یہ سن کر میں نے زور سے آواز دی، یا ابراہیم یا موسیٰ یا یحییٰ۔ فوراً تین خوبصورت نوجوان ایک خیمے سے نکلے اور بڑی عزت واحترام کے ساتھ اپنی والدہ کو اونٹنی سے اتارا۔ جب ہم سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو خاتون نے اپنے بیٹوں سے مخاطب ہو کر یہ آیت پڑھی :

فَابْعَثُوْا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ إِلَى الْمَدِيْنَةِ

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ (الکہف ۱۹)

(اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے سو اس میں سے تمہارے لیے کچھ کھانا لے آئے)

یہ سنتے ہی ان میں سے ایک نوجوان دوڑا گیا اور قریبی شہر سے کچھ کھانا خرید لایا۔ وہ کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو خاتون نے کہا: ————

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ

——(الحاقہ-۲۴)

(یعنی خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو بہ سبب ان اعمال کے جو تم نے پچھلے دنوں میں کیے ہیں۔)

مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے نوجوانوں سے کہا: ”جب تک تم مجھے اس خاتون کی حقیقت نہ بتلاؤ گے میں اس کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔“

نوجوانوں نے کہا: ————

”یہ ہماری والدہ ہیں اور ان کی پچھلے چالیس سال سے یہی کیفیت ہے۔ اس عرصے میں انہوں نے کوئی لفظ آیاتِ کلامِ پاک کے سوا زبان سے نہیں نکالا۔ یہ پابندی انہوں نے اپنے اوپر اس لیے لگائی ہے کہ کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکل جائے جس کی قیامت کے دن باز پرس ہو۔“

میں نے کہا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (الجمعہ ۴)

(الابشیہی المطرف فی کل فن مستظرف ص ۵۶-۵۷ جلد ۱۔ عبدالحمید احمد حنفی مصر ۱۳۶۳ھ)

یہ خاتون کون تھیں، ان کا نام کیا تھا اور کس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کسی نے ان کی کنیت اُمِّ یحییٰ بیان کی ہے اور کسی نے ان کا نام رابعہ بصری لکھا ہے لیکن یہ سب قیاسی باتیں ہیں۔ ان کا اصل نام اور حسب و نسب اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

بی بی شعوانہؒ

دوسری صدی ہجری میں نہایت پاکباز اور خدارسیدہ خاتون گزری ہیں ایران کی رہنے والی تھیں۔ اُن کا مستقل قیام شہر اُبلہ میں تھا۔ نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی کی نعمت بدرجۂ وافر عطا کی تھی۔ قرآنِ حکیم کی تلاوت ایسی پُرسوز آواز میں کرتی تھیں کہ سننے والوں پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کے مواعظ و خطبات بھی نہایت مؤثر ہوتے تھے اور ان کی مجالسِ وعظ میں بڑے بڑے زہاد اور عباد حاضر ہوا کرتے تھے۔

نہایت رقیق القلب تھیں اور یادِ خدا میں اکثر رویا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا:

"آپ اس قدر نہ رویا کریں مبادا آنکھوں کو نقصان پہنچ جائے۔"

فرمایا: ——

"دنیا میں رو رو کر اندھا ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ دوزخ کا عذاب اندھا کر دے۔"

پھر فرمایا: ——

"جو آنکھ اپنے محبوب کے دیدار سے محروم ہے اور پھر اس کے دیدار کی مشتاق بھی ہے بغیر گریہ و زاری کے اچھی معلوم نہیں ہوتی۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگ انہیں رونے سے منع کرتے تو کہتیں:

"کاش خوفِ خدا سے روتے روتے میں اندھی ہو جاؤں، اتنا روؤں کہ آنسو خشک ہو جائیں پھر خون روؤں یہاں تک کہ میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک نہ رہے۔"

ایک مرتبہ حضرت فُضَیلؒ بن عیاض[له] ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لیے درخواست کی۔ اس وقت حضرت شعوانہؒ بہت ضعیف العمر ہو چکی تھیں۔ انھوں نے حضرت فُضَیلؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"کیوں بھائی تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ایسا واسطہ ہے کہ اگر میں دعا کروں تو قبول ہو جائے۔ کوئی ایسی بات ہو تو بتا دو جو قبولیت کا سبب بن جائے۔"

یہ سن کر حضرت فُضَیلؒ خوفِ خدا سے کانپنے لگے اور پھر چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔

حضرت شعوانہؒ کے یہ تین اقوال بہت مشہور ہیں:

(۱) خدا کی محبت کا پیاسا کبھی سیراب نہیں ہو سکتا۔

(۲) جو آنکھ اپنے محبوب و مطلوب کے دیدار سے محروم ہو اس کا روتے رہنا ہی بہتر ہے۔

(۳) جو خود نہ رو سکتا ہو اس کو رونے والوں پر رحم کھانا چاہیے۔ وہ اپنی بد نصیبی اور گناہوں پر روتے ہیں۔

له حضرت فُضَیلؒ بن عیاض کا شمار دوسری صدی ہجری کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ ابتدائی عمر میں ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے پھر تائب ہو گئے اور بغداد جا کر حضرت امام ابو حنیفہؒ سے علم حاصل کیا۔ اس کے بعد خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

محرم ۱۸۷ھ میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا۔

(اربابِ طریقت)

ملکہ خیزران

تیسرے عباسی خلیفہ مہدی[1] کی چہیتی بیوی تھی۔ بڑی دانشمند نیک طینت اور مخیر خاتون تھی۔ اپنے اوصافِ حمیدہ کی بدولت شوہر کے مزاج پر پوری طرح حاوی تھی۔ اس کی سفارش پر خلیفہ مہدی نے بنی امیہ کے بہت سے معتوب امیروں کی ضبط شدہ جاگیریں واپس دے دیں۔ اس کی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ جسے کئی مؤرخین نے بیان کیا ہے، یہ ہے:

ایک دن ملکہ خیزران اپنے محل میں بڑی شان و شوکت سے بیٹھی تھی کہ ایک لونڈی نے آکر عرض کیا:

"ملکۂ عالم! محل کی ڈیوڑھی کے دروازے پر ایک نہایت ہی شکستہ حال غریب

[1] بنو امیہ تقریباً ایک صدی تک عالمِ اسلام پر حکمران رہے لیکن جب ۱۳۲ھ ۷۵۰ء میں بنو عباس نے امویوں کی سلطنت کا تختہ الٹا تو انھوں نے اس بدنصیب خاندان کے لوگوں کو چن چن کر مار ڈالا۔ صرف وہی لوگ زندہ بچے جو کسی نہ کسی طرح روپوش ہو گئے تھے۔ پہلا عباسی خلیفہ عبداللہ ابوالعباس سفاح اپنے چار سالہ دورِ حکومت میں بنو امیہ کی بیخ کنی میں مصروف رہا۔ اس کی وفات کے بعد ابوجعفر منصور تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے اکیس سالہ عہدِ حکومت میں بنو عباس کی حکومت کو نہ صرف مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا بلکہ اسے بہت عروج پر پہنچا دیا۔ ۱۵۸ھ ۷۷۵ء میں منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد المہدی تختِ خلافت پر بیٹھا۔ اس وقت عباسی سلطنت میں ہر طرف امن چین تھا اور مشرق میں بنو امیہ کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا۔ مہدی نے دس سال ایک ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۶۸ہجری ۷۸۵ء میں وفات پائی۔

عورت کھڑی ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ کہنا چاہتی ہے۔"

ملکہ نے کہا: "اس عورت کا حسب و نسب دریافت کرو اور یہ بھی معلوم کرو کہ اسے کس چیز کی ضرورت ہے۔"

لونڈی نے باہر آکر غریب عورت سے بہتیرا پوچھا لیکن اس نے نہ اپنے نسب اور خاندان کا پتہ دیا اور نہ یہ بتایا کہ وہ ملکہ سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔ اس کا بس ایک ہی جواب تھا کہ وہ جو کہنا چاہتی ہے خود ملکہ سے زبانی کہے گی۔

لونڈی نے اندر آکر ملکہ کو اس عورت کا جواب سنایا تو وہ بہت حیران ہوئی۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی پڑپوتی زینب بنت سلیمان بھی اس کے پاس بیٹھی تھیں۔ وہ بنو عباس کی خواتین میں بہت دانا تسلیم کی جاتی تھیں۔ ملکہ نے ان سے مشورہ کیا کہ اس عورت کو اندر آنے دوں یا ملنے سے انکار کردوں۔

انھوں نے کہا "ضرور بلواؤ۔ بھلا دیکھیں تو وہ کیا چاہتی ہے۔"

چنانچہ ملکہ نے لونڈی کو حکم دیا کہ اس عورت کو اندر لے آؤ۔

تھوڑی ہی دیر میں ملکہ کے سامنے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک انتہائی شکستہ حال عورت کھڑی تھی۔ اس کے دل کش خدوخال سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شریف زادی ہے لیکن میل کچیل اور بوسیدہ کپڑوں نے اس کی حالت گداگروں سے بھی بدتر بنا رکھی تھی۔ وہ عورت پہلے تو ملکہ کا کروفر دیکھ کر ٹھٹکی مگر پھر فوراً ہی جرأت کر کے ملکہ کو سلام کیا اور کہنے لگی:

"اے ملکہ! میں مروان بن محمدؒ کی بیٹی مزنا ہوں جو خاندانِ بنو اُمیہ کا آخری تاجدار تھا۔"

جونہی اس عورت کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ملکہ خیزران کا چہرہ فرطِ غضب سے سُرخ ہوگیا اور اس نے کڑک کر کہا: "اے بدبخت عورت! تجھے یہ جرأت کیسے ہوئی کہ اس محل کے اندر قدم رکھے؟ کیا تو نہیں جانتی کہ تیرے اہلِ خاندان

نے عباسیوں پر کیسے خوفناک مظالم ڈھائے ؟ اے سنگدل ! کیا تو وہ دن بھول گئی جب بنو عباس کی بوڑھی عورتیں تیرے پاس یہ التجا لے کر گئی تھیں کہ تو اپنے باپ سے سفارش کر کے میرے شوہر (مہدی) کے چچا امام محمدؒ بن ابراہیم عباسی کی لاش دفن کرنے کی اجازت لے دے ۔ کم بخت عورت ! خدا تجھے غارت کرے تو نے ان معزز اور مظلوم خواتین پر ترس کھانے کی بجائے انھیں ذلیل کر کے محل سے نکلوا دیا ۔ کیا تیری یہ حرکت انسانیت کی توہین نہیں تھی ؟ —— مانا کہ آپس میں دشمنی تھی لیکن پھر بھی ایک بے بس اور لاچار دشمن کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہ تھا ۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم سے حکومت چھین لی اور تمھیں ذلیل کیا ۔ مزنا خیریت اسی میں ہے کہ تم یہاں سے فوراً دفع ہو جاؤ ! "

مزنا ملکہ کی باتیں سن کر بالکل مرعوب نہ ہوئی بلکہ اس نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور بولی : " بہن ! اپنے آپے سے باہر نہ ہو جو کچھ میں نے کیا خدا سے اس کی سزا پالی ۔ خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سچ ہے ۔ اسی کی یاداش میں خدا نے مجھے ذلیل وخوار کر کے تمھارے سامنے لا کھڑا کیا ہے ۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ کسی وقت میں تم سے زیادہ شوخ اور شریر تھی ، دولت اور حشمت میرے گھر کی لونڈی تھی ۔ مجھے اپنے حسن پر ناز تھا اور تکبّر نے مجھے اندھا کر رکھا تھا مگر تم نے دیکھا کہ جلد ہی زمانے نے اپنا ورق الٹ ڈالا ۔ خدا نے اپنی تمام نعمتیں مجھ سے چھین لیں ۔ اب میں ایک فقیر سے بھی بدتر ہوں ۔ کیا تم چاہتی ہو کہ تمھارے ساتھ بھی یہی کچھ ہو ؟ اچھا خوش رہو ، میں جاتی ہوں ۔ "

اتنا کہہ کر مزنا نے تیزی سے باہر کا رُخ کیا لیکن ابھی چند قدم جانے پائی تھی کہ خیزران نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور چاہا کہ گلے سے لگا لے لیکن مزنا نے پیچھے ہٹ کر کہا : " خیزران تم ملکہ ہو اور میں ایک غریب اور بے کس عورت ۔ میرے کپڑے بوسیدہ اور غلیظ ہیں میں اس قابل نہیں کہ ایک ملکہ مجھ سے بغلگیر ہو ۔ "

خیزران نے آبدیدہ ہو کر لونڈیوں کو حکم دیا کہ مزنا کو نہلا دھلا کر اعلیٰ درجے کی پوشاک پہناؤ اور پھر اسے عطر میں بسا کر میرے پاس لاؤ۔

لونڈیوں نے ملکہ کے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت مزنا کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ چاند بدلی سے نکل آیا ہے۔ خیزران بے اختیار اس سے لپٹ گئی، اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا۔

"دسترخوان بچھواؤں؟"

مزنا نے کہا "ملکہ آپ پوچھتی کیا ہیں، شاید مجھ سے زیادہ اس محل میں اور کوئی بھوکا نہ ہوگا۔"

فوراً دسترخوان بچھ گیا، مزنا سیر ہو کر کھا چکی تو ملکہ نے پوچھا:

"آج کل تمہارا سرپرست کون ہے؟"

مزنا نے آہِ سرد بھر کر کہا "آج کس میں ہمت ہے کہ میری سرپرستی کرے۔ مدتوں سے در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہوں۔ کوئی رشتہ دار بھی دنیا میں موجود نہیں کہ اس کے ہاں جا پڑوں۔ بس کچھ قرابت ہے تو وہ اسی گھرانے (بنو عباس) سے ہے۔"

خیزران نے فوراً کہا، "مزنا آزردہ مت ہو آج سے تم میری بہن ہو، میرے بہت سے محل ہیں تم ان میں سے ایک محل پسند کر لو اور وہیں رہو جب تک میں جیتی ہوں، تمہاری ہر ضرورت پوری کروں گی۔"

چنانچہ مزنا نے ایک عالی شان محل پسند کر لیا اور خیزران نے اس میں تمام ضروریاتِ زندگی اور لونڈی غلام مہیا کر دیئے۔ ساتھ ہی پانچ لاکھ درہم نقد بھی اس کے حوالے کیے کہ جس طرح جی چاہے خرچ کرے۔

شام کو خلیفہ مہدی حرم میں آیا اور دن بھر کے حالات پوچھنے لگا۔ ملکہ خیزران نے اسے آج کا واقعہ تفصیل سے سنانا شروع کیا۔ جب اس نے بتایا کہ میں نے مزنا کو اس طرح جھڑکا اور وہ قہقہہ لگا کر شانِ بے نیازی کے ساتھ واپس

چل دی تو خلیفہ فرطِ غضب سے بے تاب ہو گیا اور اس نے ملکہ کی بات کاٹ کر کہا :۔

"خیزران تم پر ہزار افسوس ہے کہ خدا نے تمھیں جو نعمتیں عطا کی ہیں تم نے ان کا شکریہ ادا کرنے کا ایک بیش بہا موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ تمہاری یہ حرکت ایک ملکہ کے شایانِ شان نہیں تھی۔"

خیزران نے کہا، "امیر المومنین ! میری پوری بات تو سن لیں ۔۔۔ اس کے بعد جب اس نے مزنا کے ساتھ اپنے حُسنِ سلوک کی تفصیل بتائی تو مہدی کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے خیزران کی عالی ظرفی کو بہت سراہا اور کہا آج سے میری نظر میں تمہاری قدر دو چند ہو گئی ہے۔ پھر اس نے اپنی طرف سے بھی مزنا کو اشرفیوں کے سو توڑے بھیجے اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ آج میری زندگی کا سب سے بڑا یوم مسرت ہے کہ اس نے ہمیں تمھاری خدمت کی توفیق دی۔ اب تم اطمینان سے یہاں رہو۔

اس کے بعد مزنا طویل عرصہ تک زندہ رہی۔ مہدی کی وفات ۱۶۹ھ (۷۸۵ء) کے بعد اس کا بیٹا ہادی بھی مزنا کی بے حد تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ ہادی کے بعد ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں ہارون الرشید خلیفہ بنا تو اس نے بھی مزنا کو ماں کے برابر سمجھا۔ اس کے عہدِ خلافت کی ابتدا میں مزنا نے وفات پائی تو ہارون الرشید بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دیا اور اس کے جنازے کو شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ قبرستان پہنچایا۔

○

ملکہ خیزران کے بطن سے مہدی کے دو بیٹے موسیٰ ہادی اور ہارون الرشید پیدا ہوئے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے یہ دونوں باپ کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے۔ بد قسمتی سے خلیفہ ہادی ماں کا اطاعت گزار نہ نکلا، اس نے ملکہ خیزران کو ان تمام اختیارات سے محروم کر دیا جو اس کو خلیفہ مہدی کے زمانے میں حاصل تھے۔ مگر اس کا زمانہ حکومت بہت مختصر تھا اس نے پندرہ ماہ بعد وفات پائی اور ہارون الرشید مسند نشین ہوا۔ اس نے ماں

کے تمام اختیارات بحال کر دیئے اور اس کے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔
ملکہ خیزران بہت فیاض اور رحم دل تھی۔ کوئی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو اس کی مصیبت دُور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی۔ اس طرح غریبوں محتاجوں اور ضرورت مند دل کی دل کھول کر مدد کرتی رہتی تھی اس لیے وہ عوام النّاس میں بے حد ہر دلعزیز تھی اور وہ اس کا نام نہایت عزّت و احترام کے ساتھ لیتے تھے۔ اس نیک دل ملکہ نے بعہد ہارون الرشید ۱۷۳ھ ۷۸۹ء ہجری میں وفات پائی۔

(تاریخِ اسلام)

بی بی مریم بصریہ رح

دوسری/تیسری صدی ہجری میں شہرۂ آفاق عارفہ گزری ہیں۔ حضرت رابعہ بصریؒ کی ہم وطن اور ہم عصر تھیں۔ نہایت عبادت گزار اور اللہ سے ڈرنے والی خاتون تھیں۔ معرفتِ الٰہی کا ذکر ہوتا تو ان کو کئی بار غش آجاتا۔ فرمایا کرتی تھیں کہ جب سے میں نے آیت

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ

سُنی ہے، روزی کے فکر سے بے نیاز ہو گئی ہوں اور نہ کبھی اس کی تلاش میں زحمت اٹھائی ہے۔

ان کی وفات کا واقعہ بہت عجیب ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں چند اہلِ دل عشقِ الٰہی کی باتیں کر رہے تھے۔ مریمؒ بھی وہاں موجود تھیں۔ ان پر اس گفتگو کا ایسا اثر ہوا کہ زہرہ پھٹ گیا اور وہ جاں بحق ہو گئیں۔
یہ واقعہ حضرت رابعہ بصریؒ کی وفات (۱۳۵ھ) کے کچھ دن بعد پیش آیا۔

(نفحات الانس)

شہزادی عبّاسہ

خلیفہ المہدی عباسی (المتوفی ۱۶۹ھ؍۷۸۵ء) کی بیٹی اور خلیفہ الہادی اور ہارون الرشید کی بہن تھی۔ ۱۵۴ھ؍۷۷۱ء ہجری میں بمقام کوفہ پیدا ہوئی۔ اس کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی اور مختلف علوم میں اس نے درجۂ تبحر حاصل کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کی تفسیر اور شرح ایسی عمدگی سے کرتی تھی کہ بڑے بڑے علماء حیران رہ جاتے تھے۔ کلام اللہ کی قرأت بھی نہایت سوز اور خوش الحانی سے کرتی تھی۔ ایک روایت کے مطابق شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھی۔ حسنِ صورت، ذہانت، سلیقہ شعاری اور معاملہ فہمی اس کے خاص اوصاف تھے۔ اس کی پہلی شادی محمد بن سلیمان بن علی عباسی سے بعہدِ خلیفہ ہارون الرشید ہوئی۔ ہارون الرشید نے اس کے شوہر کو بصرہ، بحرین، فارس، اہواز، عمان اور یمامہ کا حاکم (گورنر) بنا دیا۔ محمدؒ بن سلیمان ۱۷۲ھ؍۷۸۸ء ہجری میں بمقام بصرہ لا ولد فوت ہو گیا۔ اس کے بعد ہارون الرشید نے اس کا نکاح ابراہیم بن صالح بن علی سے کر دیا۔ وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ عباسہ اور جعفر برمکی کو ایک دوسرے سے محبت ہو گئی تھی۔ یہ محبت ان کے خفیہ نکاح پر منتج ہوئی۔ ہارون الرشید کو علم ہوا تو وہ سخت برافروختہ ہوا اور اس نے کچھ عرصہ بعد جعفر کو قتل کرا دیا۔ لیکن یہ واقعہ بالکل غلط ہے اور عباسی خاندان کی خواتین کو بدنام کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے۔ دورِ حاضر کے بعض محققین نے اس داستان کو بالکل بے سروپا قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں "اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ" میں یہ عبارت ملتی ہے:

وو یکے بعد دیگرے اس کی تین شادیاں ہوئیں مگر تینوں شوہروں کا اس

کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا۔ اسی بناء پر ابونواس نے طنزآمیز اشعار لکھے۔ برامکہ کے زوال اور جعفر بن یحییٰ البرمکی کے سلسلے میں بھی اس کا نام لیا جاتا ہے، اور الطبری نے کچھ واقعات نقل کیے ہیں لیکن الطبری سے پہلے کے بعض مؤرخین اس واقعے کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ بات بھی خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ ابونواس کے شارحین نے عباسہ کے جن شوہروں کے نام لیے ہیں ان میں جعفر کا نام شامل نہیں۔ ابنِ خلدون نے اس کی واقعیت کو مشتبہ قرار دیا۔ جعفر سے عباسہ کے تعلقات کا افسانہ جو الطبری کی فارسی اشاعت میں درج ہے، یکسر غلط ہے۔" (جلد - ۱۲)

ہارون الرشید اپنی لائق بہن سے اس کے اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس کا ایک اور سبب بھی تھا وہ یہ کہ خلیفہ الہادی نے اپنے نابالغ بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا حالانکہ المہدی کی وصیت کے مطابق ہادی کے بعد مسندِ خلافت پر ہارون الرشید کا حق تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ الہادی نے ہارون الرشید کو ولی عہدی سے معزول کر دیا اور اپنے نابالغ بیٹے کو اس کی جگہ نامزد کر دیا۔ یہ بات دونوں بھائیوں میں سخت کشیدگی کا باعث بن سکتی تھی لیکن عباسہ نے الہادی کو ایسے احسن طریقے سے سمجھایا کہ وہ اپنے ارادے سے باز آ گیا اور ۱۷۰ھ/۷۸۶ء ہجری میں اس کی وفات کے بعد ہارون الرشید کسی نزاع کے بغیر مسندِ خلافت پر بیٹھ گیا۔ اس سلسلے میں عباسہ نے جو مساعی کی تھیں ہارون الرشید کے دل میں اُن کی بڑی قدر تھی اور اس نے انہیں ہمیشہ یاد رکھا۔

عباسہ کا سالِ وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔

(دائرہ معارف اسلامیہ۔ مشاہیر نسواں۔ شرف النساء)

خواہرِ سندی بن شاہک

سندی بن شاہک مولیٰ ابی جعفر منصور کا شمار سلطنت عباسیہ کے عماید میں ہوتا ہے۔ اس کا اصل نام محمدؒ تھا اور ماں کا نام شاہک تھا اسی نسبت سے ابنِ شاہک مشہور ہوا۔ وطنِ مالوف سندھ (ہند) تھا۔ اس کی نسبت سے سِندی کے نام سے شہرت پائی۔ خلیفہ ابو جعفر منصور اور ہارون الرشید کے زمانے میں وہ مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ وہ منصور اور ہارون کے زمانے میں اُمورِ خلافت میں بہت زیادہ دخیل تھا۔ اس کو اپنی دانائی، خیرخواہی اور معاملہ فہمی کی بدولت عباسی حکمرانوں کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ اس کو صاحب الحراس کہا جاتا تھا۔

سندی بن شاہک کی ایک بہن تھی جو سرکاری کاموں کی انجام دہی میں اس کے ساتھ شریک رہتی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑی باہمت اور سوجھ بوجھ رکھنے والی عورت تھی۔ جس زمانے میں سندی بن شاہک جیل خانے کا افسرِ اعلیٰ (داروغہ) تھا، اس کی بہن جیل خانے کے انتظام اور قیدیوں کی نگرانی میں اس کا دستِ راست تھی۔

۱۷۹ھ ہجری میں ہارون الرشید نے حضرت موسیٰ کاظمؒ (اثنا عشریوں کے ساتویں امام) کو گرفتار کیا اور بغداد لے جاکر قید خانے میں ڈال دیا۔ ان کی نگرانی پر یہی خواہرِ سندی بن شاہک مقرر ہوئی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے:

محبسه عند السندی بن شاهك وتولی حبسه
اخت السندی بن شاهك وكانت تتدین

(ہارون نے ان کو سندی بن شاہک کے زیرِ انتظام قید خانے

میں رکھا اور ان پر سندی بن شاہک کی بہن نگران مقرر کی وہ دیندار عورت تھی)
اس نے قید خانے میں حضرت موسیٰ کاظمؒ کی عبادت اور ریاضت دیکھی
تو بہت متاثر ہوئی اور بے اختیار اس کی زبان پر یہ الفاظ آگئے

خاب قوم تعرضوا لھذا الرجل الصالح
(اس مردِ صالح کو چھیڑنے والے نامراد ہیں)

لیکن افسوس کہ وہ مقدس قیدی سے ہمدردی رکھنے کے باوجود ان کی کوئی مدد
کرنے سے قاصر تھی۔ چنانچہ سیدنا موسیٰ کاظمؒ نے ۱۸۳ھ میں قید خانے
ہی میں وفات پائی۔ (خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان۔ از قاضی اطہر مبارکپوری)

سیّدہ عائشہؒ

سیّدنا حضرت جعفر صادقؒ کی صاحبزادی تھیں۔ کمال درجہ کی عابدہ
زاہدہ تھیں۔ اپنے یکتائے دہر والدِ گرامی سے علم حاصل کیا۔
اکثر فرمایا کرتی تھیں:
"اے اللہ تیری عزت و جلال کی قسم اگر تو نے مجھے دوزخ
میں ڈالا تو میں اپنی توحید کو ہاتھ میں لوں گی اور تمام دوزخیوں
کو سناؤں گی کہ میں نے تیری وحدانیت کا سچے دل سے اقرار کیا
لیکن پھر بھی تو نے مجھے عذاب دیا۔"

یہ مقامِ ناز تھا۔ عارفانِ کامل اپنے خالق پر ناز کرتے ہیں اور وہ ان کے
ناز اٹھاتا ہے۔
سیّدہ عائشہؒ نے ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ (مشاہیر نسواں)

اُمِّ جعفر عتابہ

محمد بن حسین بن قحطبہ کی بیٹی، یحییٰ برمکی کی بیوی[1] اور جعفر برمکی کی والدہ تھی۔ اصل نام فاطمہ تھا مگر وہ اپنے لقب عتابہ سے مشہور ہوئی۔ اس کی کنیت اُمِّ جعفر تھی۔ نہایت عالمہ فاضلہ، معارف پرور اور فیاض خاتون تھی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ ایک اونچے درجہ کی متکلمہ اور اعلیٰ درجے کی خوشنویس تھی۔ علاوہ ازیں علمِ حساب میں بھی کمال درجے کی مہارت رکھتی تھی۔ جس طرح اس کا شوہر اور فرزند سخاوت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اسی طرح اس کا دستِ سخاوت بھی نہایت کشادہ تھا۔ سینکڑوں غریب عورتیں اس کے دسترخوان پر پرورش پاتی تھیں اور بیسیوں اربابِ ہنر و کمال اس کی جوئے سخاوت سے سیراب ہوتے تھے۔

---

[1] ابوالفضل یحییٰ بن خالد بن جعفر بن جاماسب برمکی خلیفہ ہارون الرشید عباسی کا وزیرِ اعظم تھا۔ وہ عزت و مرتبہ اور جلالت و منزلت کی اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ آج تک ملک شاہ سلجوقی کے وزیرِ کبیر خواجہ نظام الملک طوسی کے سوا شاید ہی کسی دوسرے وزیر کو یہ مرتبہ حاصل ہوا ہو۔

یحییٰ ۱۱۹ھ ۷۳۷ء میں ایک مجوسی النسل خاندان (آلِ برمک) میں پیدا ہوا۔ سب سے پہلے اس کے دادا جعفر بن جاماسب نے اسلام قبول کیا پھر اس کا تمام خاندان حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ جعفر کا بیٹا خالد نہایت قابل اور منتظم شخص تھا۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت خلیفہ عبداللہ سفاح اور ابوجعفر منصور کا وزیر بن گیا۔ یحییٰ اسی نامور باپ کا فرزند تھا۔ خلیفہ مہدی نے اس کو اپنے بیٹے ہارون الرشید کا اتالیق بنا دیا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یحییٰ کی بیوی نے ہارون الرشید کو اس کے بچپن میں اپنا دودھ پلایا تھا۔ اس کو اس طرح

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خلیفہ ہارون الرشید نے بچپن میں اُم جعفر فاطمہ کا دودھ پیا تھا اور وہ اپنی رضاعی ماں کی بے حد عزت کرتا تھا۔ جس زمانے میں برمکی خاندان خلیفہ ہارون الرشید کے قہر و غضب کا نشانہ بنا اور اس کے حکم سے یحییٰ اور اس کے فرزندوں جعفر اور فضل کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا تو ہارون نے قسم کھا کر کہا کہ فاطمہ (عتابہ) کے لیے کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہے وہ جب چاہیں میرے پاس آ سکتی ہیں اور جو سفارش کرنا چاہیں کر سکتی ہیں۔

عتابہ تک ہارون کا یہ قول پہنچا تو وہ رقہ سے بغداد پہنچی اور محل شاہی میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ جب اجازت ملنے میں دیر ہوئی تو وہ ننگے پاؤں بلا نقاب شاہی محل تک آئی۔ خاندان کی بربادی کی وجہ سے وہ اس وقت غم کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ ابن فضل حاجب نے ہارون الرشید کو بتایا کہ عتابہ اس حالت میں دروازے پر کھڑی ہے تو وہ فوراً اٹھا اور برہنہ پا چل کر اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہارون کی رضاعی ماں کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں مسند حکومت پر بیٹھا تو اس نے یحییٰ کو وزیر اعظم اور مدار المہام بنا کر سلطنت کا تمام نظم و نسق اس کے سپرد کر دیا۔ ہارون اس کو بمنزلہ باپ کے سمجھتا تھا اور بابا جان کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ یحییٰ جود و سخا، علم و فضل اور تدبیر و سیاست میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس کی معارف پروری اور فیاضی کی داستانوں سے تاریخ اور ادب کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یحییٰ جب بوڑھا اور کمزور ہو گیا تو اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے فرزندوں فضل اور جعفر کو ہارون کے وزیر بنوا دیا۔ وہ بھی تمام صفات میں اپنے باپ کے مثیل تھے۔ بدقسمتی سے آخر میں بعض اسباب کی بناء پر یہ خاندان ہارون الرشید کے عتاب کا شکار ہو گیا۔ یہ عتاب اتنا شدید تھا کہ یحییٰ فضل اور جعفر تینوں کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ان کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور ان کی حویلیوں اور محلوں کو گرا کر کھنڈر بنا دیا گیا۔ کچھ دن بعد ہارون نے جعفر کو قتل کرا دیا۔ یحییٰ اور فضل مدت تک قید کی مصیبتیں جھیلتے رہے اور قید خانے ہی میں فوت ہو گئے۔ یحییٰ کا سال وفات ۱۹۰ھ (۸۰۶ء) ہے۔

استقبال کیا اور پیشانی کا بوسہ لے کر نہایت عزت و احترام سے اپنے پاس بٹھایا۔
عتابہ کی آمد کا مقصد اپنے شوہر اور بیٹوں کو قید سے چھڑانا تھا۔ اس نے کہا:
"امیر المؤمنین! کیا ہم زمانہ کی سختیوں کے اسی طرح شکار بنے رہیں گے اور کیا ہم پر جھوٹی تہمتیں لگائی جاتی رہیں گی، کیا میں نے اسی دن کے لیے آپ کو اپنا دودھ پلایا تھا۔"

ہارون نے تجاہلِ عارفانہ سے کہا۔ "کیوں مادرِ مہربان کیا ہوا؟"

عتابہ نے کہا۔ "مہدی عباسی کے بعد یحییٰ آپ کے لیے بمنزلہ والد کے ہے اور جس رتبہ کا وہ شخص ہے اس سے آپ واقف ہیں۔ ہادی کے مقابلے میں اس نے آپ کی ولی عہدی کے لیے جو کوششیں کیں ان کا بھی آپ کو علم ہے۔"

ہارون نے کہا۔ "لیکن جو حکمِ الٰہی تھا وہ تو جاری ہو چکا ہے۔"

عتابہ بولی۔ "خدا کو بڑی قدرت ہے

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (پ ۱۳- رکوع ۱۲)
(اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے)

ہارون نے کہا۔ "ہاں بے شک یہ سچ ہے کہ خدا جس کا چاہتا ہے قصور معاف کرتا ہے مگر ان لوگوں کا قصور ایسا نہیں جس کو خدا معاف کر دے۔"

عتابہ بولی: "معاملاتِ غیب تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ امیر المؤمنین کو کیسے معلوم ہو گیا کہ خدا معاف نہیں کرے گا۔"

ہارون یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پھر کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا:۔

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا | الفیت کل تمیمۃ لا تنفع
(جب موت اپنے ناخن چبھوتی ہے | تو کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا)

عتابہ نے فوراً کہا امیر المؤمنین میں تو یحییٰ کے حق میں تعویذ نہیں ہوں اور نہ میرا یہ دعویٰ ہے لیکن آپ اسی شاعر کا یہ دوسرا شعر بھی تو پڑھیے۔

واذا افتقرت الی الذخایر لم تجد | ذخرا یکون کصالح الاعمال
(جب تم کو سرمائے کی ضرورت پیش آئے | تو کوئی سرمایہ اچھے اعمال سے بڑھ کر نہیں ملے گا)

یہ تقریر سن کر ہارون نے سر جھکا لیا پھر دیر تک دونوں کے درمیان عالمانہ گفتگو ہوتی رہی۔ آخر کار عتابہ نے سبز زمرد کا ایک ڈبہ پیش کیا جس میں ہارون کے بچپن کے ٹوٹے ہوئے دانت اور بال جو مشک میں ڈوبے ہوئے تھے، موجود تھے اس نے ان کا واسطہ دے کر یحییٰ کی رہائی کی درخواست کی لیکن ہارون آل برمک سے اتنا سخت ناراض تھا کہ اس کا دل نہ پسیجا اور عتابہ ناکام واپس گئی۔ چند دن بعد ہارون نے جعفر برمکی کو قتل کرا دیا۔ یحییٰ اور فضل بدستور قید رہے اور قید خانے ہی میں فوت ہو گئے۔

عتابہ کی زندگی کا آخری دور بہت عبرتناک تھا۔ محمد بن غسان گورنر کوفہ کا بیان ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے دن اپنی والدہ کے سلام کو گیا۔ ان کی مجلس میں ایک بوڑھی خاتون پرانی چادر اوڑھے نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کر رہی تھی۔ میری والدہ نے کہا، بیٹا اپنی خالہ کو سلام کرو۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا کہ یہ عتابہ اُم جعفر برمکی ہیں۔ یہ سن کر میں سکتے میں آگیا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ان کی شان و تجمل کا کوئی ٹھکانا نہ تھا اور آج وہ کس حال میں ہیں۔ میں نے ادب سے ان کو سلام کیا اور حال پوچھا، کہا، اے بیٹا کیا پوچھتا ہے دنیا ایک آنے جانے والی چیز ہے کل کی بات ہے کہ عید کے دن میرے سرہانے چار سو کنیزیں کھڑی ہوتی تھیں پھر بھی میں کہتی کہ جعفر میرا خیال نہیں رکھتا اور آج یہ حالت ہے کہ میرے پاس صرف دو پوستین ہیں ایک کو اوڑھ لیتی ہوں اور ایک کو بچھا لیتی ہوں۔

(البرامکہ)

ملکہ زبیدہ

اُمِ جعفر زبیدہ پانچویں عباسی خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ ۷۸۶ء تا ۸۰۹ء) کی ملکہ تھی۔ اس کے والد کا نام جعفر تھا جو دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ ۷۵۴ء تا ۷۷۵ء) کا بیٹا تھا۔ زبیدہ ۱۴۵ھ ۷۶۲ء میں موصل میں پیدا ہوئی۔ اس وقت اس کا والد موصل کا گورنر تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کا نام اَمَۃُ العزیز رکھا اور بڑے ناز و نعم سے اس کی پرورش کی۔ اَمَۃُ العزیز نے ابھی زندگی کی پانچ ہی بہاریں دیکھی تھیں کہ سن ۱۵۰ھ ۷۶۷ء میں جعفر کا انتقال ہو گیا اور وہ یتیم رہ گئی۔ دادا ابو جعفر منصور نے اسے بغداد بلا لیا۔ ننھی اَمَۃُ العزیز بڑی خوبصورت بچی تھی۔ دادا نے اس کی تر و تازہ رنگت کی وجہ سے اس کا نام زبیدہ رکھ دیا۔ (زبیدہ، زُبدۃ کا اسم تصغیر ہے جس کا مطلب ہے ملائی، مکھن یا گیندے کا پھول۔ بعض نے زبیدہ کا مطلب متھنی بھی لکھا ہے یعنی وہ آلہ جس سے دہی کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے)۔ یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ لوگ اس کے اصل نام اَمَۃُ العزیز کو بالکل بھول گئے۔ ابو جعفر منصور نے اپنی پیاری پوتی کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا اور اس کام کے لیے نہایت لائق اور فاضل استاد مقرر کیے۔ زبیدہ بڑی سلیم الفطرت اور ذہین بچی تھی اس نے بڑے ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کی۔ اسی عمر میں اس کو قرآن کریم اور احادیث نبوی سے دلی اور روحانی تعلق پیدا ہو گیا جو عمر بھر قائم رہا۔ دوسرے علوم دینی اور عربی ادب میں بھی اس نے بڑی دسترس حاصل کر لی۔ جوان ہوئی تو حسنِ صورت کے علاوہ حسنِ سیرت سے بھی آراستہ تھی اور علم و فضل کے اعتبار سے بھی بہت بلند مقام رکھتی تھی۔ ۱۶۵ ہجری ۷۸۲ء میں زبیدہ کے چچا مہدی نے جو ابو جعفر منصور

کے بعد خلیفہ بن چکا تھا، اس کی شادی اپنے بیٹے ہارون الرشید سے کر دی۔ یہ شادی شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ انجام پائی۔ مہدی کے بعد زبیدہ کے شوہر کا بڑا بھائی ہادی خلیفہ بنا (۱۶۹ھ ۷۸۵ء)۔ اس نے ۱۷۰ھ ۷۸۶ء میں وفات پائی تو ہارون الرشید مسند خلافت پر بیٹھا اور زبیدہ کو ایک وسیع و عریض سلطنت کی خاتونِ اوّل ہونے کی عزت حاصل ہو گئی۔ ہارون الرشید کا تیئیس سالہ دورِ خلافت ملکہ زبیدہ کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔ اگرچہ عام طور پر وہ امورِ مملکت میں براہِ راست دخل نہ دیتی تھی لیکن اس کے اثر و اقتدار کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ زبیدہ بڑی خوش پوش، رحمدل، مخیر اور علم دوست خاتون تھی۔ ایک طرف تو اس کے جاہ و حشم کا یہ حال تھا کہ اس کا ایک ایک جوڑا ہزاروں دینار میں تیار ہوتا تھا، اس کی جوتیاں ہیروں اور موتیوں سے مزین ہوتی تھیں، اس کے محل میں عنبر کی شمعیں جلتی تھیں، اس کے باورچی خانے کا یومیہ خرچ دس ہزار درہم تھا اور سینکڑوں لوگ اس کے دستر خوان پر پرورش پاتے تھے۔ دوسری طرف اس کی دینداری کی کیفیت یہ تھی کہ اس کے حرم میں ۱۰۰ سو کنیزیں قرآن کریم کی حافظہ تھیں جو باری باری نہایت خوش الحانی سے قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتی رہتی تھیں۔ اس طرح اس کا محل ذکرِ الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ علماء و شعراء کی بھی بڑی قدردان تھی اور بعض کو مستقل وظیفے دیتی تھی۔ وہ نماز روزے کی سختی سے پابند تھی۔ عمر بھر عذرِ شرعی کے بغیر نہ کبھی کوئی نماز قضا کی اور نہ کوئی روزہ چھوڑا۔ زندگی میں کئی مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ ان میں ایک پاپیادہ حج بھی شامل تھا۔ اس کو رفاہِ عامہ کے کاموں سے بھی بے انتہا دلچسپی تھی اور ان پر بے دریغ روپیہ صرف کرتی رہتی تھی۔ عراق سے مکہ معظمہ کو جو راستہ جاتا تھا اس پر حاجیوں اور مسافروں کے لیے موزوں مقامات پر سرائیں بنوائیں اور کنوئیں کھدوائے۔ یہ راستہ تیز ہواؤں یا آندھیوں کی وجہ سے اکثر ریت سے اٹ جاتا تھا اور مسافر صحرا میں اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرتے تھے۔ ملکہ زبیدہ

نے لاکھوں دینار صرف کر کے راستے کے دونوں طرف پتھر کی مضبوط دیواریں بنوا دیں تاکہ کسی کو راستہ معلوم کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ ملکہ نے صرفِ کثیر سے کئی مسجدیں بھی بنوائیں۔ علاوہ ازیں ایک نہر عزعار کوہِ لبنان سے بیروت تک بنوائی جس کے پل آج تک قناطرِ زبیدہ کے نام سے مشہور ہیں۔

"انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" میں ہے کہ ملکہ زبیدہ نے تبدیلِ آب و ہوا کے لیے سرزمینِ ایران میں ایک پُرفضا مقام پسند کر کے وہاں شہر تبریز آباد کیا۔ سید امیر علی کا بیان ہے کہ مصر کا قدیم شہر اسکندریہ جو دوسری صدی ہجری میں قریب قریب بالکل اُجڑ گیا تھا، ملکہ زبیدہ کے حکم سے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔

ملکہ زبیدہ کا سب سے بڑا کارنامہ جو اس کا نام قیامت تک زندہ رکھے گا، "نہرِ زبیدہ" کی تعمیر ہے۔ ہارون الرشید کے دورِ خلافت سے کئی سال پہلے مکہ معظمہ میں پانی کی قلت پیدا ہو گئی تھی اور حاجیوں کو سخت تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ ایک دفعہ تو مکے میں پانی کا ایسا قحط ہوا کہ ایک مشکیزہ دس درہم میں اور بڑی مشک ایک اشرفی میں ملتی تھی۔ ملکہ زبیدہ کو جب حجاج اور اہلِ مکہ کی مصیبت کا علم ہوا تو اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ کوئی ایسا مستقل انتظام کرے گی جس سے مکے والوں کو پانی برابر پہنچتا رہے اور ہر سال لاکھوں حاجیوں کو بھی پانی خوب ملتا رہے۔ اس نے کھدائی اور تعمیرات کے بڑے بڑے ماہروں کو طلب کیا اور انھیں حکم دیا کہ مکہ معظمہ کے نواحی علاقے میں چشمے تلاش کریں۔ ان ماہرین نے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ملکہ کو اطلاع دی کہ انھوں نے دو جگہوں پر چشمے ابلتے دیکھے ہیں۔ ایک چشمہ تو مکہ معظمہ سے پچیس میل کے فاصلے پر طائف کے راستے میں ہے اور دوسرا چشمہ کراکی پہاڑیوں میں نعمان نام کی ایک وادی میں ہے لیکن ان چشموں کا پانی مکہ معظمہ تک لے جانا بہت مشکل ہے کیونکہ راستے میں متعدد پہاڑیاں ہیں۔ نیک دل

ملکہ نے حکم دیا کہ جس طرح بھی ہو سکے ان چشموں کا پانی مکہ معظمہ تک پہنچانے کے لیے ایک نہر کھود دو۔ اس کام پر خواہ کتنا ہی روپیہ خرچ ہو جائے اس کی کچھ پروا نہ کرو اگر کوئی مزدور ایک کدال مارنے کی اجرت ایک اشرفی بھی مانگے تو اس کو دے دو۔

ملکہ کا حکم ملتے ہی انجینئروں نے بے شمار کاریگروں اور مزدوروں کی مدد سے نہر کھودنے کا کام شروع کر دیا۔ یہ لوگ مسلسل تین سال تک دن رات پہاڑیاں کاٹنے اور نہر بنانے میں مشغول رہے۔ آخر اللہ نے ان کی محنتِ شاقہ کو بارآور کیا اور نہر تیار ہو گئی۔ اس کام پر ملکہ کے سترہ لاکھ طلائی دینار خرچ ہوئے جب اخراجات کا حساب ملکہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ دریائے دجلہ کے کنارے اپنے محل میں بیٹھی تھی اس نے حساب کے کاغذات پر سرسری نظر بھی نہ ڈالی اور سب کو یہ کہہ کر دریا میں ڈال دیا کہ ہم نے اس حساب کو "حساب کے دن" کے لیے چھوڑ دیا کیونکہ یہ کام میں نے اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیا ہے۔ اگر میرے ذمہ کسی کو کچھ دینا آتا ہو تو وہ مجھ سے لے اور اگر میرا کسی کے ذمہ کچھ باقی ہو تو میں نے اس کو معاف کیا۔ پھر ملکہ نے نہر کی تعمیر میں حصہ لینے والے تمام ماہرین، کاریگروں اور مزدوروں کو دل کھول کر انعام دیا اور بڑی خوشی منائی۔ فی الحقیقت دونوں چشموں سے دو الگ الگ نہریں نکالی گئیں، آگے چل کر یہ دونوں نہریں ایک دوسرے سے مل گئیں اور پھر یہی ایک نہر عرفات تک چلی گئی۔ اسی نہر کا نام نہر زبیدہ ہے۔ پہاڑوں کے اندر راستے میں جگہ جگہ حوض بھی بنائے گئے تاکہ بارش کا پانی بھی ان حوضوں میں جمع ہو کر نہروں میں شامل ہوتا رہے۔ نہروں کی گزرگاہ کو ایسے مسالے سے بنایا گیا ہے کہ پانی زمین کے اندر جذب نہیں ہونے پاتا اس علاقے میں اکثر ریت کے طوفان آتے رہتے ہیں اس لیے نہروں کو اوپر سے پاٹ دیا گیا تاکہ ریت ان میں گرنے نہ پائے۔ شروع میں "نہر زبیدہ" کا نام "عین المشاش" تھا لیکن اللہ نے زبیدہ کے نام کو دوام بخشنا تھا اس لیے بعد میں وہ اسی کے

نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ نہر مکہ معظمہ سے چند میل دور جبل عرفات کے ساتھ ساتھ بہتی ہوئی ایک مقام "چاہِ زبیدہ" پر ختم ہو جاتی ہے۔ وہاں تک اس کی کل لمبائی ۳۲ ہزار میٹر ہے۔ ملکہ کی خواہش تھی کہ نہر خاص مکہ معظمہ شہر تک پہنچ جائے لیکن کوئی ایسی رکاوٹ پیش آ گئی کہ اسے "چاہِ زبیدہ" تک ہی ختم کرنا پڑا۔ پھر بھی اہلِ مکہ کو اس سے بڑا آرام ہو گیا کیونکہ چاہِ زبیدہ سے مکہ تک پانی مختلف طریقوں سے شہر میں آتا رہتا تھا۔ نہر پر پانی کی تقسیم کے لیے جگہ جگہ حوض اور کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔

ملکہ زبیدہ کے بطن سے ہارون الرشید کا بیٹا محمد امین پیدا ہوا۔ ہارون الرشید نے ملکہ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے اس کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا حالانکہ اس کا بڑا (سوتیلا) بھائی عبداللہ المامون اس سے کہیں زیادہ لائق تھا۔ ہارون نے اس کے بارے میں یہ وصیت کی کہ امین کے بعد وہ ولی عہد ہو گا ساتھ ہی اس نے ان کے درمیان ملک کی تقسیم بھی کر دی۔ ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں ہارون الرشید نے خراسان میں وفات پائی تو امین بغداد پہنچ کر تختِ خلافت پر بیٹھ گیا۔ مامون اس وقت مرو میں تھا۔ وہ کچھ عرصہ تو خاموش رہا اور انہی علاقوں پر قناعت کی جو باپ نے اس کے سپرد کیے تھے لیکن جب امین نے اس کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے صغیر السن بیٹے موسیٰ کو ولی عہد نامزد کیا تو دونوں بھائیوں میں شدید مخالفت کا آغاز ہو گیا۔ ۱۹۵ھ میں امین نے علی بن عیسیٰ کو پچاس ہزار فوج دے کر خراسان پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ اُدھر سے مامون نے طاہر بن حسین کو اس کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ رے کے قریب دونوں فوجوں کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی جس میں علی بن عیسیٰ کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس کے بعد مسلسل دو برس تک دونوں میں معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں جن میں مامون ہی غالب رہا۔ ۱۹۷ھ (۸۱۲ء) میں مامون کے جرنیل طاہر بن حسین نے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ایک برس تک جاری رہا۔ آخر امین نے شکست

کھائی۔ طاہر بن حسین نے اسے گرفتار کر کے ۲۵ محرم ۱۹۸ھ (۸۱۳ء) کو قتل کر ڈالا۔
اب مامون الرشید تمام سلطنت عباسیہ کا بلا شرکت غیرے فرمانروا بن گیا۔
ملکہ زبیدہ نے اپنے فرزند کے قتل کی خبر سنی تو فرطِ غم سے نڈھال ہو گئیں شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھی۔ ایک پُر درد مرثیہ ایک خط میں لکھ کر مامون الرشید کو بھیج دیا۔ مرثیہ یہ تھا:

الوارث علم الاولین وفهمهم	ام جعفر کی طرف سے یہ خط ہے خلیفہ مامون
وللملک المامون من ام جعفر	کے نام جو کہ پہلوں کے علم و فہم کا وارث ہے
کتبت وعینی مستعمل دموعها	اے ابن عم میں تجھ کو لکھ رہی ہوں اور
الیک ابن عمی من جفون ومحجر	میری آنکھیں پلکوں سے خون بہاتی ہیں
وقد مسنی ذل وضر کابة	مجھ کو ذلت اور اذیت وہ رنج پہنچا اور
دارق عینی یا بن عمی تفکر	فکر نے میری آنکھوں کو بے خواب کر دیا۔
اتی طاهر لا طهر الله طاهراً	یہ طاہر کیا ہوا ہے خدا جس کو طاہر نہ کرے
فما طهر فیما اتی بمطهر	اور جو کچھ اس نے کیا اس کے الزام سے پاک نہیں ہو سکتا۔
فاخرجنی مکشوفة الوجه حاسراً	اس نے مجھ کو برہنہ سر اور بے پردہ گھر سے نکالا
وانهب اموالی واخرب ادوری	اور میرا مال لوٹ لیا اور میرے مکانات برباد کر دیئے۔
لیعز علی هارون ما قد لقیته	اس یک چشم ناقص الخلقت کے ہاتھ سے مجھ پر جو گزرا
وما مربی من ناقص الخلق اعور	ہارون ہوتا تو اس پر گراں گزرتا۔
فان کان ما ابدی بامر ثه	طاہر نے جو کچھ کیا اگر تیرے حکم سے کیا
صبرت لامر من مقدر	تو مقدر پر میں صبر کرتی ہوں۔

مامون کو یہ خط ملا اور اس نے یہ اشعار پڑھے تو وہ بے اختیار رو پڑا اور کہا:
"واللہ میں خود اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لوں گا!"
بدلہ تو اس نے کیا لینا تھا البتہ جب تک ملکہ زبیدہ جیتی رہی مامون الرشید نے اس کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا۔ اس نیک دل خاتون نے یکم جمادی الاولیٰ ۲۱۶ھ (۸۳۱ء) کو بغداد میں وفات پائی۔
(مشاہیر نسواں۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۰۔ الاعلام وغیرہ)

بی بی اُمِّ احسانؒ

ان کا شمار دوسری صدی ہجری کی عارفاتِ کامل میں ہوتا ہے۔ کوفہ کی رہنے والی تھیں اور زہد و عبادت میں اپنی نظیر آپ تھیں۔ ان کے عم زاد اور قبیلہ کے دوسرے لوگ بہت آسودہ حال تھے لیکن وہ بہت سادہ زندگی گزارتی تھیں امام سفیان ثوریؒ ان کے ہم عصر تھے۔ وہ اکثر ان کی باتیں سننے کے لیے ان کے مکان پر جایا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُمِّ احسانؒ کے گھر میں ایک بوریے کے سوا کبھی کچھ نہ دیکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے صاحبزادے بھی بہت خوشحال تھے لیکن انہوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا اور ایک معمولی حجرے میں زاہدانہ زندگی گزار دی۔

ایک دفعہ امام سفیان ثوریؒ نے ان سے کہا:

"اے اُمِّ احسان! اگر آپ کے چچا زاد بھائیوں (یا صاحبزادوں) کو آپ کے حالات کی اطلاع دی جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے لیے آرام و آسائش کا سامان مہیا کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔"

یہ سن کر اُمِّ احسانؒ کے چہرے پر تکدر کے آثار نمودار ہوئے اور انہوں نے فرمایا:

"اے سفیان! تمہاری قدر اس کلمہ نے میری نظروں میں کم کر دی۔ ذرا خیال تو کرو کہ وہ ذاتِ بابرکات جو دنیا کی ہر شے کی خالق اور مالک ہے اس سے تو میں نے دنیا کی کسی چیز کا سوال نہیں کیا پھر بھلا ان لوگوں سے کیسے سوال کر سکتی ہوں

جو خود صاحبِ احتیاج ہیں۔ خدا کی قسم مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ
منظور نہیں کہ خدا کی یاد سے غافل ہو جاؤں اور کسی اور چیز کی طرف
دھیان دوں۔"
امام سفیان ثوریؒ[1] کی اس تنبیہ پر چیخیں نکل گئیں اور انہوں نے رقّت آ
لہجے میں فرمایا: "اے اُمِّ احسان! آپ واقعی اللہ کی خاص بندی ہیں۔"
حضرت اُمِّ احسانؒ کا سالِ وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ (نفحات الا

بی بی حکیمہؒ

دوسری صدی ہجری کی مشہور عارفات میں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت علی
کَرَّمَ اللہ وجہہٗ کی نسل سے تھیں۔ ان کا وطن دمشق تھا۔ بے حد عبادت گز
اور با خدا خاتون تھیں۔ علم و فضل میں بھی بڑے بلند مقام پر فائز تھیں۔ قرآن حک
سے بڑا شغف تھا اس کی تفسیر ایسی عمدگی سے کرتی تھیں کہ سننے والوں کے
دلوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت نقش ہو جاتی تھی۔ (نفحات الانس)

---

[1] امام سفیان ثوریؒ تبع تابعین کی مقدّس جماعت کے ایک جلیل القدر رکن تھے۔ علم و فضل کے اعتبار سے ان
شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔ سنہ ۹۶ھ ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے! ابتدائی تعلیم و تربیت بھی کوفہ میں
ہوئی۔ انہوں نے کوفہ کے تمام ممتاز شیوخِ حدیث و فقہ سے استفادہ کیا۔ پھر بصرہ اور حجاز کے مختلف
مقامات کے شیوخِ حدیث سے کسبِ فیض کیا اور علم و فضل کے بحرِ زخّار بن گئے۔
خطیب بغدادیؒ کا بیان ہے کہ ان کو تیس ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔ سالہا سال تک مسندِ درس
افتاء پر متمکن رہے اور بے شمار لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچایا۔ نہایت عابد و زاہد رقیق القلب اور
سادہ مزاج بزرگ تھے۔ خلفاء و امراء سے ہمیشہ بے تعلق رہے۔ سنہ ۱۶۱ھ ہجری میں وفات پائی۔

لیلیٰ بنت طریف

مؤرخین میں اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن خلکان نے اس کا نام فارعہ اور فاطمہ لکھا ہے لیکن ابن اثیر اور سید امیر علی لکھتے ہیں کہ اس کا نام لیلیٰ تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ/۷۸۶ء تا ۱۹۳ھ/۸۰۹ء) کے عہد میں ایک مشہور خارجی ولید بن طریف کی بہن تھی۔ بڑی حسین و جمیل، بہادر اور اونچے درجے کی شاعرہ تھی۔ ۱۷۸ھ/۷۹۴ء ہجری میں اس کے بھائی ولید بن طریف نے جابور اور نصیبین میں حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے دربار کے ایک مشہور افسر یزید شیبانی کو باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اس کی خارجی باغیوں سے کئی خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ بالآخر خارجیوں نے شکست کھائی اور ان کا سردار ولید بن طریف میدانِ جنگ میں کام آیا۔

لیلیٰ کو اپنے بھائی کی ہلاکت کی خبر ملی تو اس نے زرہ پہنی، ہتھیار سجائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی۔ اس کے حملے کی تاب نہ لا کر شاہی فوج کی کئی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ اب سپہ سالارِ فوج یزید شیبانی دوسروں کو ہٹا کر خود لیلیٰ کے مقابلہ پر آیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ لیلیٰ کا رشتہ دار تھا۔ اس نے لیلیٰ کے گھوڑے کو پہلے تو ایک نیزہ مارا لیکن پھر کچھ خیال آیا اور بڑی دردمندی کے ساتھ لیلیٰ کو سمجھایا کہ شاہی فوج بڑی طاقتور ہے اور اس کے وسائل لامحدود ہیں تم اس سے لڑ کر اپنے خاندان کو بدنام نہ کرو اور خواہ مخواہ اپنی جان نہ گنواؤ۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ واپس جاؤ اور اپنے گھر میں شریف عورتوں کی سی زندگی گزارو۔

یزید شیبانی کی تقریریں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ لیلیٰ میدان جنگ سے کنارہ کش ہو گئی لیکن واپس جاتے وقت اس کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا اور زبان پر اس کے اپنے ہی یہ شعر جاری تھے:

فیا شجر الخابور مالک مورقا　　کانک لم تجزع علی بن طریف

اے خابور کے درخت تم کیوں سرسبز ہو۔ گویا تم ابنِ طریف کی موت پر غمزدہ ہی نہ ہوئے

فتی لا یحب الزاد الا من التقی　　ولا المال الا من قنا و سیوف

(ولید) ایک ایسا جوان تھا جو صرف زادِ تقویٰ اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا تھا

فقد ناک فقدان الشباب و لیتنا　　فدیناک من فتیا ننا بالوف

(اے ولید) ہم نے تمہیں اس طرح کھویا ہے جس طرح جوانی کو کوئی کھودے کاش ہم اپنے ایک ہزار جوان تیری ایک ذات

علیہ سلام اللّٰہ وقفا فاننی　　اری الموت وقاعا بکل شریف

(ولید پر) خدا کی رحمت ہو　　موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے

مولانا سید سلیمان ندوی رح نے لکھا ہے:

"یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پُر درد ہے کہ اکثر علمائے ادب اس کو چشمِ ادب سے دیکھتے ہیں۔ ابو علی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے۔ ابنِ خلکان نے لکھا ہے کہ فارعہ کے مراثی خنساءؓ کے ہم پلہ ہیں۔ اس مرثیہ کا پہلا شعر تو اس قدر مقبول ہے کہ عموماً علمائے بدیع اس کو تجاہلِ عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔"

(خواتینِ اسلام کی بہادری
تاریخِ اسلام۔ سید میر علی)

تیسری صدی ہجری

۱- حضرت آمنہ رملیہؒ ــ (عالمہ، عارفہ)

۲- بی بی عائشہؒ عباسیہ ــ (عالمہ، شاعرہ)

۳- بی بی تحفہؒ ــــــ (عارفہ)

۴- بی بی اَمَتُہ الجلیلؒ ــــ (عارفہ)

۵- بی بی عبیدہؒ ــــ (عارفہ، دانشمند)

۶- بی بی بنتِ کعبؒ ــــ (عارفہ)

۷- بی بی عباسہؒ بنتِ فضل (عالمہ، عابدہ)

۸- بی بی اُمامہ ــــ (شاعرہ)

۹- اُمِ عباس (عالمہ، شاعرہ، حاضر جواب)

۱۰- حضرت جوہر براثیہؒ ــــ (عارفہ)

۱۱- بی بی رابعہ قزداری (شاعرہ۔ عابدہ)

۱۲- بی بی اُمِ علیؒ ــــــ (عارفہ)

۱۳- بی بی ولدہؒ بنت محمدؒ ــــ (شاعرہ)

۱۴- بی بی اُمِ محمدؒ ــــــ (عارفہ)

۱۵- بی بی اُمِ ہارونؒ ــــ (عارفہ)

۱۶- بی بی اطہرہ ــــ (فاضلہ۔ مدبّرہ)

۱۷- بی بی قطر الندیٰ ــــ (عالمہ، فاضلہ)

۱۸- بی بی اُمِ محمدؒ ــــ (عارفہ)

۱۹- ملکہ بوران (عالمہ، فاضلہ، علم دوست، مخیر)

۲۰- بی بی اُمِ الفضل عباسیہؒ ــــ (عالمہ)

۲۱- بی بی فضل ــــ (شاعرہ)
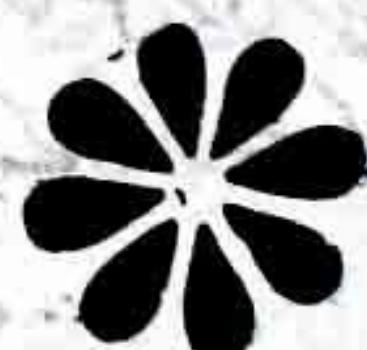
حضرت آمنہ رملیہؒ

حضرت آمنہ رملیہؒ کا شمار دوسری/تیسری صدی ہجری کی جلیل القدر عالمات وعارفات میں ہوتا ہے۔ تقریباً ۱۶۳ھ ہجری میں بغداد کے ایک نواحی شہر رملہ میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے بہت ذہین اور علم حاصل کرنے کی شائق تھیں، لیکن والدین بہت غریب تھے وہ ان کی تعلیم کا کوئی خاص اہتمام نہ کر سکے البتہ گھر پر جو معمولی تعلیم دے سکتے تھے، دے دی، جب ذرا بڑی ہوئیں تو اپنی والدہ کے ساتھ حج کے لیے مکہ معظمہ گئیں۔ اس زمانے میں ایک بزرگ عالم دین مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے۔ حضرت آمنہؒ ان کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئیں اور ایک عرصہ تک ان سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کرتی رہیں۔ جب وہ وفات پا گئے تو حضرت آمنہؒ مدینہ منورہ چلی گئیں جہاں امام مالکؒ نے مسندِ درس بچھا رکھی تھی۔ حضرت آمنہؒ مدت تک ان سے علمِ حدیث حاصل کرتی رہیں اور بہت سی احادیث زبانی یاد کر لیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کے اندازے کے مطابق ان سے مروی احادیث کی تعداد سنؒو کے لگ بھگ ہے۔

اس کے بعد وہ دوبارہ مکہ معظمہ گئیں اور امام شافعیؒ سے علم فقہ کی تحصیل کی۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چھتیس سال کی ہو چکی تھی۔ امام شافعیؒ مصر تشریف لے گئے تو وہ کوفہ پہنچ گئیں جہاں بہت سے علماء و فضلاء موجود تھے۔ حضرت آمنہؒ نے بڑے ذوق و شوق سے ان سے بھی کسبِ فیض کیا اور تمام علوم دینی میں یکتائے روزگار ہو گئیں۔ جب کوفہ سے وطن واپس گئیں تو ان کے علم و فضل کا چرچا دُور دُور تک پھیل چکا تھا۔ انہوں نے مخلوقِ خدا کو فیض پہنچانے کی

خاطر اپنا حلقۂ درس قائم کیا تو لوگ تحصیلِ علم کے لیے جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ بڑے بڑے علماء بھی سماعتِ حدیث کے لیے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ ۲۰۹ھ ہجری میں انہیں بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک درویش کامل کی توجہ سے ان کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا۔ اپنا تمام مال و اسباب راہِ خدا میں دے دیا اور درویشانہ زندگی اختیار کر لی اب ہر وقت عبادتِ الٰہی اور گریہ و زاری میں مشغول رہتی تھیں۔ اسی حالت میں سات حج پیادہ پا کیے۔ ان کے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی بنا پر لوگ ان کو خاصانِ خدا میں شمار کرتے تھے اور ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے۔ ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس دور کے ایک عظیم المرتبت ولی اللہ حضرت بشر حافیؒ (المتوفی ۲۲۷ھ) کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح اہل سنت و الجماعۃ کے چوتھے امام حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) بھی ان کی عظمت و جلالت کے معترف تھے۔

ایک دفعہ حضرت بشر حافیؒ بیمار ہوئے تو حضرت آمنہؒ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئیں۔ اتفاق سے امام احمد حنبلؒ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ انہوں نے حضرت بشرؒ سے پوچھا، یہ کون خاتون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا، یہ آمنہ رملیہ ہیں، میری عیادت کو آئی ہیں۔

امام صاحبؒ نے ان کی شہرت سن رکھی تھی۔ اب انھیں قریب پا کر بہت خوش ہوئے اور حضرت بشرؒ سے فرمایا:

"ان سے کہیئے کہ میرے لیے دعا کریں۔"

حضرت بشر حافیؒ نے حضرت آمنہؒ سے عرض کیا:

"یہ احمد بن حنبل ہیں، آپ سے دعا کے خواستگار ہیں۔"

حضرت آمنہؒ نے ہاتھ اٹھا کر نہایت خشوع و خضوع سے دعا مانگی۔

"اے اللہ! احمد بن حنبل اور بشر دونوں جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے، ان کو اس آگ سے محفوظ رکھ"[1]

ایک دفعہ کسی رئیس نے دس ہزار اشرفیاں ان کی نذر کرنا چاہیں۔ انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو رکھ لیں لیکن ان کو ہاتھ نہ لگایا اور شہر میں منادی کرادی کہ جس کو روپیہ کی ضرورت ہو وہ آکر مجھ سے لے جائے۔ چنانچہ حاجت مند لوگ آتے تھے اور بقدرِ ضرورت ان سے رقم لے جاتے تھے۔ شام ہوتے ہوتے انہوں نے تمام اشرفیاں تقسیم کر دیں حالانکہ اس دن ان کے گھر میں کھانے کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ آمنہؒ کا معمول تھا کہ نصف شب کو بیدار ہو جاتیں اور صبح تک نہایت خشوع و خضوع سے عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتیں۔ ایک دفعہ میں نے انہیں یہ دعا مانگتے سُنا:

"اے خالقِ ارض و سماء تیری نعمتیں بے حد و حساب ہیں لیکن کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو ان کی قدر نہیں کرتے۔ تو ارحم الراحمین ہے مگر دنیا تجھ کو بھولی ہوئی ہے۔

اے میرے پیارے آقا میری عزت تیرے ہی ہاتھ ہے۔ قیامت کے دن سب کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا اگر ایسا کیا تو لوگ یہی

---

[1] بعض تذکرہ نگاروں نے اس واقعہ کو حضرت آمنہ رملیہؒ کی کرامت کے طور پر بیان کیا ہے۔ انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے یہ بیان منسوب کیا ہے کہ اسی وقت کو آسمان سے ایک پرچہ میری گود میں آکر گرا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد لکھا ہوا تھا کہ ہم نے کر دیا اور ہم زیادہ بھی کر سکتے ہیں (یا یہ کہ ہمارے پاس مزید نعمتیں بھی ہیں)۔

(باکمال مسلمان عورتیں از مولانا عبدالقیوم ندوی)

کہیں گے کہ اللہ نے اپنی بندی کو رسوا کیا جو اس سے محبت کرتی تھی۔ اے میرے پیارے آقا تجھ کو یہ بات یقیناً گوارا نہ ہوگی۔ اگر تو نے اس کو گوارا کیا تو میں ہرگز ہرگز اسے گوارا نہ کروں گی کہ لوگ تجھے الزام دیں۔"

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت بشرؒ سے فرمایا۔" اے بشر! میں تو سوتی ہوں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے۔"

ان کا دستور تھا کہ کسی کے ہاں کا کھانا نہ کھاتیں کہ مبادا اس میں مالِ حرام یا کسی مشکوک چیز کا کوئی جزُ شامل ہو البتہ کسی کے بارے میں یقین ہوتا کہ وہ متقی اور پرہیز گار ہے تو اس کے ہاں کا کھانا کھا لیتیں۔

حضرت آمنہ رملیہؒ کی عائلی زندگی کے بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا اور نہ یہ وضاحت کی ہے کہ وہ دور دراز شہروں میں جا کر سالہا سال تک تحصیلِ علم کیسے کرتی رہیں اور اس دوران میں ان کا سرپرست اور نگران کون تھا۔ ان کا سالِ وفات بھی کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ انہوں نے تیسری صدی ہجری میں کسی وقت وفات پائی۔

(دائرہ معارف اسلامیہ۔ مشاہیر نسواں۔ باکمال مسلمان عورتیں)

بی بی عائشہؒ عبّاسیہ

آٹھویں عباسی خلیفہ معتصم باللہ (متوفی ۲۲۷ھ) کی صاحبزادی تھی۔ والد نے اس کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی۔ چنانچہ وہ جملہ علوم میں یگانۂ روزگار ہو گئی اور اپنے عہد کے اہلِ علم و فضل میں شمار ہونے لگی۔ شعر و شاعری سے بھی شغف تھا اور اسے بہت اونچے درجے کی شاعرہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ نہایت شگفتہ مزاج تھی اور روتوں کو ہنسا دیا کرتی تھی۔ سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ (مشاہیر نسواں)

بی بی تحفہ رح

تحفہ رح تیسری صدی ہجری میں ایک برگزیدہ خاتون گزری ہیں۔ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی رح نے ان کو "اولیاء اللہ" میں شمار کیا ہے۔ کثرتِ عبادت و ریاضت کی وجہ سے ان کو معرفتِ الٰہی حاصل ہوگئی تھی۔ وہ فی البدیہہ معرفت کے اشعار تضمین کرتی تھیں۔ کسی شخص کی کنیز تھیں اس نے انہیں دیوانہ سمجھ کر بیمارستان بھیج دیا جہاں ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔ حضرت سری سقطی رح ان کے ہم عصر تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری طبیعت ایسی پریشان تھی کہ تہجد سے بھی محروم رہا۔ صبح ہوئی تو جگہ جگہ پھرتا تھا کہ کسی طرح یہ اضطراب دور ہو لیکن اس میں ذرا بھی تخفیف نہ ہوئی۔ آخر پھرتا پھراتا بیمارستان میں چلا گیا وہاں ایک پاکیزہ صورت عورت کو پابزنجیر دیکھا۔ مجھے دیکھ کر وہ عورت آبدیدہ ہوگئی اور کچھ شعر پڑھے۔ میں نے بیمارستان کے منتظم سے دریافت کیا کہ یہ عورت کون ہے؟ اس نے کہا کہ اس کا نام تحفہ ہے اور یہ فلاں شخص کی کنیز ہے اس کو جنون ہوگیا ہے۔

تحفہ یہ سن کر اس قدر روئی کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ پھر اس نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا:۔

معشر الناس ماجننت ولکن
انا سکرانۃ و قلبی صاحی

(لوگو! میں مجنون نہیں لیکن میں معرفتِ الٰہی میں مست و مدہوش ہوں اور میرا قلب میرا ساتھی (ہمنوا) ہے۔)

(نفحات الانس)

بی بی امۃ الجلیلؒ

طبقاتِ شعرانی میں ہے کہ امۃ الجلیلؒ عرب کی پارسا اور خدا رسیدہ خواتین میں سے تھیں۔ ایک مرتبہ اُس عہد کے اربابِ سلوک میں یہ بحث چھڑی کہ "ولایت" کے معنی کیا ہیں۔ سب نے اپنی اپنی رائے دی، لیکن ان آراء میں اختلاف تھا۔ آخر یہ قرار پایا کہ امۃ الجلیل سے اس کے معنی پوچھے جائیں۔ چنانچہ جب ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"ولی وہ ہے جو ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور زخارفِ دنیا سے مطلق دل نہ لگائے بلکہ کسی وقت بھی اس کی توجہ ماسوا کی طرف نہ جائے۔"

پھر انہوں نے اربابِ سلوک سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"جب کوئی تم سے کہے کہ فلاں ولی یادِ حق کو چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول ہے تو ہرگز اس کی ولایت کا یقین نہ کرنا۔"

قیاساً ان کا زمانہ تیسری صدی ہجری کا ہے۔ (نفحات الانس)

بی بی عبیدہؒ

عبیدہ خاتون عباسی خلیفہ مامون الرشید (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) اور معتصم باللہ (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) کے عہد میں نہایت پارسا اور باکمال خاتون ہوئی ہیں۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں ان کی لیاقت اور ہنرمندی کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

(مختصر تاریخ صحرائیانِ عرب)

بی بی بنتِ کعبؒ

تیسری صدی ہجری میں مشہور عارفہ ہوئی ہیں۔ شیخ ابو سعید خزازؒ کی ہمعصر تھیں۔ کبھی کبھی عارفانہ شعر بھی کہا کرتی تھیں۔ مولانا جامیؒ نے اُن کو اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے اور ان کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

عشق او باز اندر آوردم بہ بند
کوششِ بسیار نامد سود مند
عشق دریائے کرانہ ناپدید!!
کے تواں کردن شتاب اے مستمند
عشق را خواہی کہ با پایاں بری!
بس کہ بہ پسندید باید ناپسند
زشت باید دید انگارید خوب
زہر باید خورد انگارید قند
توسنی کردم ندانستم ہمے!
کز کشیدن تنگ تر گردد کمند

(نفحات الانس)

بی بی عباسہ بنتِ فضلؒ

یہ خاتون امام ابو عبداللہ محمدؒ بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ تھیں۔ فقہ و حدیث اور زہد و عبادت میں یگانۂ روزگار تھیں ۔۔۔۔ سنہ ۲۹۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

بی بی اُمامہؒ

خلیفہ الواثق باللہ عباسی (۲۲۷ھ ؍ ۸۴۱ء تا ۲۳۲ھ ؍ ۸۴۷ء) کے عہد میں ایک نامور خاتون ہوئی ہے جو عربی شعروادب میں بہت اونچا مقام رکھتی تھی اور تمام عالمِ اسلام میں اس کی سحرالبیانی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ اس نے اپنے دَور کے ایک مشہور جوانمرد رئیس اسود بن فنان کی شان میں یہ مدحیہ اشعار کہے جو آناً فاناً عرب کے بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔

اذا شئت ان تلقی فتی لو وزنتہٗ | بکل معدی وکل یمان
وفی بھما فضلاً وجوداً وسودداً | وزناً فذاک الاسود بن فنان

فتی لا یری فی ساحۃ الارض مثلہٗ
لیوم خراب او لیوم ظعان

ترجمہ ومفہوم

جب تو (اے مخاطب) چاہے کہ ایسے نوجوان سے ملے کہ اگر تو اس کا موازنہ کسی یمنی یا معد کے خانوادہ کے کسی فرد سے کرے اور ان دونوں کے مقابلہ میں اسے فضیلت، سخاوت اور سرداری میں بڑھا ہوا پائے تو پھر وہ اسود بن فنان ہی ہے۔ روئے زمین پر اس کا ثانی کوئی نہیں اس دن جب میدانِ کارزار میں ہر چیز تباہ و برباد ہو رہی ہو یا جب ہودج نشین عورتیں باہر نکل چکی ہوں۔ (تذکرۃ الخواتین)

اُمِّ عبّاس

ساتویں عبّاسی خلیفہ مامون الرشید (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ / ۸۱۳ء - ۸۳۳ء) کی بیگم تھی نہایت ذہین و فطین اور عالمہ فاضلہ خاتون تھی۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھی۔ اگرچہ اس کی پرورش خالص بدویانہ (صحرائی) ماحول میں ہوئی تھی مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق صحرائی علاقے میں بود و باش رکھنے والے کسی علمی اور دینی گھرانے سے تھا اور اس کی تعلیم و تربیت بہت عمدگی سے کی گئی تھی۔ یہی سبب تھا کہ عنفوانِ شباب کو پہنچنے تک اس کو علم الانساب سے گہری واقفیت ہوگئی تھی جس نے مامون الرشید کو اس سے شادی کرنے پر آمادہ کیا۔ عربی ادب کی بعض کتابوں میں یہ واقعہ مزے لے لے کر بیان کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

مامون الرشید ایک دن اپنے چند محافظوں کو ساتھ لے کر شکار اور سیر و تفریح کے لیے نکلا۔ چلتے چلتے شہر سے دور صحرا میں پہنچ گیا وہاں کسی جانور کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ شکار تو ہاتھ نہ آیا البتہ ایک چشمے (یا دریائے فرات) کے قریب ایک دوشیزہ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس حسین و جمیل دوشیزہ کے چہرے بشرے سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی اچھے عرب خاندان سے تعلق رکھتی ہے اس کے کندھے پر پانی کا مشکیزہ تھا جس کے بوجھ تلے دبی جارہی تھی۔ نشیب سے فراز پر آتے ہوئے مشکیزہ سنبھالنا اس کے لیے مشکل ہو گیا اور اس نے مدد کے لیے اپنے باپ کو آواز دی۔

يَا اَبَتِ اَدْرِكْ فَاهَا۔ فَقَدْ غَلَبَنِیْ فُوْهَا لَا طَاقَةَ لِیْ بِفِيْهَا۔

(ابا دوڑ کر آؤ اور مشکیزے کا منہ تھام لو اس کے دہانے پر میرا زور نہیں چلتا اور یہ میرے قابو سے باہر ہے)

اس کا باپ کہیں دور تھا اس نے بیٹی کی آواز نہ سنی البتہ مامون الرشید یہ

فصیح و بلیغ جملہ سن کر پھڑک اٹھا اور دوشیزہ کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا پھر اس سے مخاطب ہوکر کہا:

"اے لڑکی! تم تو بہت خوب عربی بولتی ہو۔"

دوشیزہ: "کیا میں عرب کی رہنے والی نہیں ہوں۔"

مامون: "تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟"

دوشیزہ: "بنی قضاعہ سے"

مامون: "بنی قضاعہ کی کس شاخ سے ہے؟"

دوشیزہ: "بنی کلب سے"

مامون: "ایسے قبیلے میں تم کیوں پیدا ہوئیں؟"

دوشیزہ: "کیوں میرے قبیلے کو کیا ہے؟ وہ تو بڑی عزت والا ہے اس پر کوئی الزام نہیں۔ مہمان نواز ہے اور تلوار کا دھنی ——— مگر اے شخص تم کس قبیلے سے ہو؟"

مامون: "کیا تم کو انساب سے واقفیت ہے؟"

دوشیزہ: "ہاں خوب واقفیت ہے۔"

مامون: "میں بنو مضر سے ہوں۔"

دوشیزہ: "لیکن کونسا مُضَر؟"

مامون: "جو حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے معزّز اور معظّم ہے۔"

دوشیزہ: "میں سمجھ گئی تم بنو کنانہ سے ہو لیکن کنانہ کی کس شاخ سے ہے؟"

مامون: "جس کے فرزند سب سے شریف اور بردبار ہوتے ہیں۔"

دوشیزہ: "(ہنس کر) اچھا تو تم قریش سے ہو لیکن قریش کے کس خاندان سے۔"

مامون: "جس کا ذکر سب سے اونچا اور جس کا فخر بے مثال ہے۔"

دوشیزہ: "خدا کی قسم! تم بنی ہاشم سے ہو لیکن بنی ہاشم کے کس گھرانے سے۔"

مامون: "جس کے گھر سب سے بلند، جس کا قبیلہ سب سے اشرف جس سے

اعداء ہاشم ہیبت زدہ تھے۔"

دوشیزہ نے یہ سن کر ادب سے سر جھکایا اور کہا:

"السَّلامُ عَلَیْکَ یَا امیرَ المُؤمِنِین!" پھر اس نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

مامون ذو المنن الشریفه	وصاحب المرتبة المنیفه
وقائد العساکر الکثیفه	هل لك فی ارجوزة لطیفه
اظرف من فقه ابی حنیفه	لا- والذی انت له خلیفه
ماظلمت فی حینا ضعیفه	عاملتنا بمئون خفیفه
اللص والتاجر فی قطیفه	والذئب والنعجة فی سقیفه

(اے شریفانہ احسانات والے مامون! اے عالی اور کامل مرتبے والے اور اے عظیم الشان لشکروں کی قیادت کرنے والے ایک پاکیزہ نظم سنیئے جو نفاست ابوحنیفہؒ سے بھی لطیف ہے! اس ذات کی قسم جس کا تو خلیفہ ہے ہمارے قبیلے میں کبھی کسی کمزور بڑھیا پر بھی ظلم نہیں ہوا اور آپ کے پرامن دورِ خلافت میں چور اور تاجر ایک چادر میں اور بھیڑیا اور بکری ایک چھت کے نیچے زندگی گزارتے ہیں۔)

مامون الرشید اس دوشیزہ کی وسعتِ معلومات، حاضر جوابی ذہانت اور اشعار سن کر ششدر رہ گیا اور اس نے اس کو اپنی ملکہ بنانے کا ارادہ کر لیا۔ واپس آ کر اس نے دوشیزہ کے والدین کو اس کے لیے پیغام بھیجا جو انہوں نے فوراً قبول کر لیا۔ یوں وہ دوشیزہ شاہی حرم میں داخل ہو گئی۔ اسی کے بطن سے مامون الرشید کا بیٹا عباس پیدا ہوا۔ مامون الرشید بہترین علمی اور ادبی ذوق رکھتا تھا اس لیے وہ اُمِ عباس کی بہت قدر کرتا تھا اور اکثر اس سے علمی گفتگو کیا کرتا تھا۔

(عقد الفرید)

حضرت جوہر براثیہ رح

تیسری صدی ہجری کی بڑی نامور عارفہ گزری ہیں۔ ۲۳۷ھ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئیں۔ زندگی کے ابتدائی دور میں کسی عباسی خلیفہ کی کنیز تھیں۔ ایک دن کسی درسگاہ کے قریب سے گزر ہوا، وہاں ایک بزرگ بڑے وقار اور تمکنت کے ساتھ بڑے دلنشین انداز میں بہت سے طلبہ کو درسِ حدیث دے رہے تھے۔

حضرت جوہر کے قدم وہیں زمین پر گڑ گئے۔ دیر تک سماعِ حدیث کرتی رہیں۔ آگے بڑھیں تو جامع مسجد آ گئی، وہاں بھی ایک نورانی صورت کے محدث طلبہ کو حدیث کا درس دے رہے تھے اور کئی طلبہ حدیثیں لکھ رہے تھے۔ حضرت جوہر ان ایمان افروز مناظر سے بہت متاثر ہوئیں اور ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ واپس محل میں پہنچیں تو سکوت اختیار کر لیا۔ وقت کا بیشتر حصہ عبادتِ الٰہی میں گزارنے لگیں۔ بلاضرورت ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتی تھیں۔ دوسری کنیزیں ان کو بہت چھیڑتی تھیں مگر وہ خاموش رہتی تھیں۔ آخر ایک دن انہوں نے بہت اصرار کے ساتھ ان سے سکوت کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا:۔

"میں اللہ کی کنیز ہوں اور اسی کے احکام کی اطاعت کرنا میرا فرض ہے۔"

انہوں نے کہا ــــ "خلیفہ کو کیا جواب دو گی؟"

فرمایا ــــ "یہی جو تم کو دیا ہے۔"

رفتہ رفتہ ان کی عبادت گزاری اور سکوت کی خبر خلیفہ تک پہنچ گئی۔ اس

نے انہیں فوراً آزاد کر دیا۔

اب انہوں نے حدیث کی تعلیم حاصل کی اور پھر اپنے آپ کو خدمتِ حدیث اور عبادتِ الٰہی کے لیے وقف کر دیا۔ سُنّتِ نبوی کی پیروی میں حضرت ابو عبداللہ برانیؒ سے نکاح کر لیا۔ وہ اس زمانے کے ایک بڑے محدّث، فقیہ اور متقی بزرگ تھے۔

حضرت جوہر براثیہؒ دولتِ دنیا سے بالکل بے نیاز تھیں۔ ایک دفعہ خلیفہ نے انہیں دس ہزار دینار کی تھیلی بھیجی۔ انہوں نے یہ کہہ کر انہیں لینے سے انکار کر دیا کہ دنیا کا مال طبیعت میں تکبّر اور رعونت پیدا کرتا ہے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

خلیفہ نے اب انہیں بیس ہزار دینار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ انہیں رکھ لیں اور غربا و مساکین میں تقسیم کر دیں۔ مگر حضرت جوہرؒ نے یہ بھی قبول نہ کیے اور لانے والے قاصد سے کہا کہ امیر المؤمنین سے کہنا، میں ایک گوشہ نشین عورت ہوں مجھے معلوم نہیں ان دیناروں کا مستحق کون ہے اور غیر مستحق کون۔ اگر میں نے کسی غیر مستحق کو دے دیئے تو آخرت میں اللہ کو کیا جواب دوں گی۔ بہتر یہی ہے کہ امیر المؤمنین انہیں خود مستحقین میں تقسیم کریں۔

ایک مرتبہ خلیفہ نے پیغام بھیجا کہ قصرِ خلافت میں قدم رنجہ فرمائیں تاکہ ہمیں آپ کی خدمت کا موقع ملے اور حصولِ برکت بھی ہو۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ قصرِ خلافت اور فقیر کی کٹیا میں بڑا فرق ہے۔ میں اپنی کٹیا سے اٹھ کر قصر میں جاؤں تو آپ کے عیش و راحت میں خلل پڑے گا۔ مجھے یہاں ہی پڑا رہنے دیں —— ایک دفعہ والیٔ بغداد کی اہلیہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہیں اپنے گھر لے جانا چاہا مگر وہ اس کے ساتھ جانے پر رضامند نہ ہوئیں اور فرمایا، میں ایک سیدھی سادی عورت ہوں اور اس کٹیا میں اپنے جیسے لوگوں کے درمیان رہنا ہی مجھے پسند ہے جو اطمینانِ قلب مجھے یہاں میسّر ہے کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا —— حضرت جوہر براثیہؒ نے ۲۹۷ ہجری میں وفات پائی۔

(تذکارِ عارفات، مولانا محمد اسحاق بھٹی)

بی بی رابعہ قزداریؒ

بلخ کے علاقہ قزدار میں رہتی تھیں لیکن اصل ونسل کے اعتبار سے اعرابیہ تھیں۔ ان کے والد کا نام کعب بن حارث اور عرف زین العرب تھا۔ وہ مقدم الشعرا رودکی[1] کی ہم عصر اور فارسی کی قادر الکلام شاعرہ تھیں۔

---

[1] ابو عبداللہ جعفر (رُودکی) بن محمد بن حکیم عبدالرحمٰن بن آدم نواحِ سمرقند کا رہنے والا تھا۔ اس کا شمار تیسری/چوتھی صدی ہجری کے عظیم فارسی شعراء میں ہوتا ہے۔ اہلِ ایران اسے استادِ شاعراں و مقدم شعرائے عجم کہتے ہیں۔ نہایت ذہین و فطین تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کر لیا اور اسی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا۔ قرأت کا فن بھی سیکھا۔ اس کی زندگی کے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔ ہاں اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ اپنے اشعار کی بدولت اس نے چند سالوں کے اندر اندر ملک گیر شہرت حاصل کر لی اور فارس وما وراءالنہر کے سامانی فرمانروا سلطان نصر (اول) بن احمد (۲۶۱ھ تا ۲۷۹ھ) نے اس کو اپنا درباری شاعر بنا لیا۔ رُودکی نے اس کی شان میں بہت سے قصیدے لکھے وہ آخری عمر میں نابینا ہو گیا تھا (بعض نے اسے پیدائشی نابینا لکھا ہے اور بعض نے اس کی بصارت زائل ہونے کے کچھ اور اسباب لکھے ہیں)۔ رُودکی نے ۳۲۹ھ میں رُودک میں وفات پائی۔

رُودکی ایران کا پہلا شاعر ہے جس نے فارسی تشبیب و قصیدہ میں خاص ادبی روایات قائم کیں۔ بہت سے شعراء اس کو قصیدے کا استاد

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہا جاتا ہے کہ یادِ الٰہی کی بدولت وہ زمرۂ عارفات میں داخل ہو گئی تھیں اور ان کے کلام پر عشقِ حقیقی کا رنگ غالب تھا۔ بدقسمتی سے ان کا حقیقی بھائی بدگمانی میں مبتلا ہو گیا اور عشقِ مجازی کی تہمت لگا کر ان کو جان سے مارا ڈالا۔

ذیل کا قطعہ رابعہ قزداریؒ سے منسوب کیا جاتا ہے:۔

عشق او باز اندر آوردم بہ بند
کوشش بسیار نامد سودمند
توسنی کردم ندانستم ہمے
کز کشیدن سخت تر گردد کمند[۱]

(مشاہیر نسواں بحوالہ مجمع الفصحاء)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

تسلیم کرتے ہیں۔ بعض مصنفین کے بیان کے مطابق رودکی نے اپنی زندگی میں تیرہ لاکھ اشعار اور چھ مثنویاں لکھیں۔ اس کا دیوان قصائد، رباعیوں، مثنویوں اور قطعات پر مشتمل ہے۔ رباعی پہلی مرتبہ رُودکی کے ہاں نظر آتی ہے۔

(اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ)

[۱] جامیؒ نے "نفحات الانس" میں یہ دونوں شعر بنتِ ... سے منسوب کیے ہیں۔

بی بی اُمِّ علیؒ

بی بی اُمِّ علیؒ تیسری صدی ہجری میں بہت بڑی عارفہ گزری ہیں۔ وہ مشہور ولی اللہ شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کی حرمِ محترم تھیں۔ ان کے والدین بہت مالدار تھے اور انہوں نے اپنی بیٹی کے لیے بے انتہا دولت چھوڑی لیکن مخیّر بیٹی نے سب خدا کی راہ میں لٹا دی اور اپنے عابد و زاہد شوہر کے ساتھ قناعت کی زندگی اختیار کی۔

بی بی اُمِّ علیؒ حضرت بایزید بسطامیؒ اور شیخ ابوحفصؒ کی ہم عصر تھیں۔ ان دونوں بزرگوں نے ان سے کسبِ فیض کیا۔ حضرت بایزیدؒ فرمایا کرتے تھے:

"جو شخص تصوف کے میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے اندر اُمِّ علی جیسی کیفیت اور ہمت پیدا کرے۔"

شیخ ابوحفصؒ کہتے ہیں کہ جب تک میں نے اُمِّ علیؒ زوجہ احمد خضرویہ کی باتیں نہیں سُنی تھیں، میں عورتوں کی جنس ہی کو حقیر سمجھتا تھا اور ان سے باتیں کرنا مکروہ جانتا تھا مگر جب اُمِّ علی کی باتیں سنیں تو مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتِ معرفت سے جسے چاہتا ہے نواز تا ہے۔ اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔

ایک دفعہ بلخ کی ایک عورت بی بی اُمِّ علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی:

"اے اُمِّ علی! میں آپ کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

انہوں نے جواب دیا :

" اس کے برعکس تم اللہ تعالیٰ کی بندگی کے ذریعے میرا تقرب کیوں نہیں چاہتیں ؟ "

حضرت اُمِ علیؒ کے بہت سے مقولے صوفیۂ کرام میں مشہور ہیں ان میں سے دو مقولے یہ ہیں :

(۱) حاجت کا پورا نہ ہونا بے عزتی ہونے سے بہتر ہے ۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے انعامات کی بارش کی لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے ۔ تب اس نے مصیبتوں اور سختیوں میں مبتلا کیا اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ صرف اس لیے کیا کہ اس کو اپنے بندوں سے محبت ہے ۔ (نفحات الانس)

بی بی ولادہؒ بنتِ محمدؒ

اَندلُس کے فرمانروا محمدؒ اوّل (۲۳۸ھ تا ۲۷۳ھ) کی بیٹی تھی۔ نہایت عالمہ اور فاضلہ خاتون تھی ۔ اہلِ قرطبہ کے نزدیک اس کی وہی قدر و منزلت تھی جو اہلِ یورپ کے نزدیک سیافو اور کانڈے کی ہے ۔ (سیافو یونان کی شہرۂ آفاق شاعرہ تھی ۔ اس نے شاعری میں ایک نئی بحر ایجاد کی تھی جو اسی کے نام سے مشہور تھی ——— کانڈے اسپین کا مشہور مؤرخ تھا ، اس نے اسپینی زبان میں ایک نہایت مبسوط تاریخ مسلمانوں کے تسلطِ اندلس کی لکھی ہے ۔ سالِ ولادت ۱۷۶۵ء سالِ وفات ۱۸۶۰ء) (تمدنِ عرب)

بی بی اُمِّ محمدؒ

شیخ المشائخ شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمدؒ بن حفیف (المتوفی ۳۳۱ھ) کی والدہ ماجدہ تھیں۔ زہد و عبادت میں یگانۂ روزگار تھیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے۔

ان کا وطن مالوف شیراز تھا، وہاں سے اپنے فرزند حضرت ابو عبداللہؒ کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے بہت سے مجاہدات اور مکاشفات کا ذکر کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو عبداللہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں شب بیداری کیا کرتے تھے کہ شاید ان کو لیلۃ القدر نصیب ہو جائے۔ ایک رات وہ اسی طرح بالاخانے میں جاگ کر ذکرِ الٰہی کر رہے تھے کہ ان کی والدہ (اُمِّ محمدؒ) نے جو گھر کے اندرونی حصے میں قبلہ رو بیٹھ کر عبادتِ الٰہی میں مشغول تھیں، آواز دی:

"اے محمد اے فرزند آنچہ تو آنجا مے طلبی اینجاست"

(اے محمد اے بیٹے جس چیز کا تو وہاں طلب گار ہے وہ یہاں ہے)

شیخ ابو عبداللہؒ یہ سن کر بالاخانے سے نیچے اترے تو دیکھا کہ انوارِ لیلۃ القدر سے ان کی والدہ کا حجرہ بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ اسی وقت والدہ کے قدموں پر گر پڑے۔ خود فرماتے ہیں کہ اس دن سے مجھے اپنی والدہ کی حقیقی قدر معلوم ہوئی۔

بی بی اُمِّ محمدؒ نے ۳۱۲ھ ہجری میں وفات پائی۔

(نفحات الانس و خزینۃ الاصفیاء)

بی بی اُمِّ ہارونؒ

صاحبِ "طبقاتِ شعرانی" کا بیان ہے کہ یہ خاتون نہایت عبادت گزار اور خدا رسیدہ تھیں۔ ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتی تھیں اور ہمیشہ سوکھی روٹی پر گزارہ کرتی تھیں۔

رات کی تاریکی میں اپنے خالق و مالک کی عبادت کرنے میں انہیں خاص لطف حاصل ہوتا۔ جب سپیدۂ سحری نمودار ہوتا تو فرماتیں:

"ہائے دوری ہو گئی۔"

مطلب یہ کہ رات کی تنہائی میں اپنے خالق کی عبادت کرنے میں جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ دن کے وقت نہیں ہوتا۔

ان کی خود رفتگی کا یہ عالم تھا کہ بیس برس تک سر میں نہ تیل ڈالا اور نہ کنگھی کی لیکن ان کے بال اس قدر صاف اور چمکیلے تھے کہ دوسری خواتین ان پر رشک کرتی تھیں۔

انہیں قیامت کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا۔ ایک دفعہ دنیا و ما فیہا سے بے خبر چلی جا رہی تھیں کہ کسی کی آواز کانوں میں پڑی

"اس کو پکڑ لو"

یہ سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں۔ لوگوں نے اٹھایا اور ہوش میں لائے تو فرمایا:

"میں نے سمجھا قیامت آ گئی اور میرے لیے حکم ہوا کہ اس عورت کو پکڑ لو، اسی لیے میں بے ہوش ہو گئی۔"

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن بی بی اُمِّ ہارونؒ جنگل میں بیٹھی

تھیں کہ ایک شیر وہاں آنکلا۔ انہوں نے شیر سے مخاطب ہو کر کہا :

"اے شیر اگر میرے گوشت سے اللہ تعالیٰ نے تیری روزی مقرر کی ہے تو آ اور مجھے کھا جا۔" ــــــ یہ سنتے ہی شیر نے منہ موڑ لیا اور چلا گیا۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ اکثر جنگل کی طرف نکل جایا کرتی تھیں۔ اور اس قسم کا واقعہ انہیں بارہا پیش آیا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی شیر یا دوسرے درندے نے ان کو نقصان پہنچایا ہو۔ سب ان کو دیکھ کر اپنا رُخ دوسری طرف کر لیتے تھے۔ (مشاہیر نسواں۔ باکمال عورتیں)

بی بی اطہرہ

خلیفہ محمدؒ اوّل (وفات ۲۷۳ھ) بن عبدالرحمٰن والیٔ اندلس کی ملکہ کا نام ہے۔ یہ ملکہ بڑی فاضلہ اور نیک طینت تھی۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ حقیقی معنوں میں اسم بامسمّیٰ تھی۔ ۲۳۰ھ میں اس کے بطن سے عبداللہ بن محمدؒ پیدا ہوا۔ والدہ نے اس کی تعلیم و تربیت اپنی ذاتی نگرانی میں نہایت اہتمام سے کی۔ عبداللہ جب ۲۷۵ھ میں تخت نشین ہوا تو ماں کا حد سے زیادہ احترام کرتا رہا۔ وہ ہر اہم کام میں ماں سے مشورہ کرتا تھا۔ اس کو اپنی والدہ سے اس قدر محبت تھی کہ جب وہ صفر ۲۹۹ھ ہجری میں فوت ہوئی تو اس پر قیامت بیت گئی۔ اس نے ایک عالی شان مقبرہ القصر (واقع رصافہ) میں اس کے لیے تعمیر کرایا اور حکم دیا کہ اس کی اپنی قبر بھی ماں کے مقبرے کے قریب بنائی جائے۔ ماں کی جدائی کا غم اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہ بھولتا تھا۔ اسی غم میں اس نے تیرہ ماہ بعد اپنی جان بھی جان آفریں کے سپرد کر دی۔ (نفح الطیب)

بی بی قطر الندی

سولھویں عباسی خلیفہ المعتضد باللہ (۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ) کی اہلیہ اور اٹھارویں عباسی خلیفہ المقتدر باللہ (۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ) کی والدہ تھیں۔ بڑی عالمہ فاضلہ اور لائق خاتون تھیں۔ وہ اہل علم و فضل خواتین کی بھی بہت قدرداں تھیں اور اکثر ان کو انعام و اکرام سے نوازتی رہتی تھیں۔ جب خلیفہ المقتدر باللہ تخت حکومت پر بیٹھا تو وہ نابالغ تھا۔ ملکہ قطر الندی نے نہ صرف اس کی نابالغی کے زمانے میں بھی بلکہ بعد میں بھی بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کی وہ خود عدالتِ اپیل کی صدارت کرتی تھیں (یہ ان کے بڑھاپے کا زمانہ تھا) ان کے اجلاس میں عالم اور شریف مردوں اور عورتوں کا بہت ہجوم رہتا تھا علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا بیان ہے کہ ۳۰۶ھ میں انہوں نے ایک ہسپتال کھولا اور سات ہزار دینار سالانہ اس کے مصارف کے لیے مقرر کیے۔ حکومت کے مکمل اختیارات ان کے ہاتھ میں تھے۔ وہ محکمۃ المظالم میں دربار کرتی تھیں، ہر جمعہ کو لوگوں کی عرضیاں دیکھتی تھیں اور شاہی فرامین کو اپنے دستخطوں سے جاری کرتی تھیں۔ (مشاہیر نسواں و مختصر تاریخ صحرائیان عرب)

بی بی ام محمدؒ

حضرت خواجہ ابوالحسن سری سقطیؒ (المتوفی ۲۵۳ھ) کی نہایت عالمہ اور فاضلہ شاگرد تھیں۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے "نفحات الانس" میں ان کو زمرۂ اولیاء میں شمار کیا ہے۔ ان سے بہت سی کرامات منسوب ہیں۔ حضرت سری سقطیؒ اُن کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ خاتون اللہ تعالیٰ کے تمام واجب کردہ احکام کو ملحوظ رکھتی ہے۔ (نفحات الانس)

ملکہ بوران

خلیفہ مامون الرشید عباسی کے وزیر حسن بن سہل سرخسی کی بیٹی تھی صفر ۱۹۲ھ میں پیدا ہوئی۔ خدیجہ نام رکھا گیا اور بوران لقب ہوا۔ یہ پیار کا لقب اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ اس کا اصل نام بھول گئے۔ والد نے بوران کی تعلیم و تربیت کا بہترین اہتمام کیا اور وہ زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر اپنے زمانے کی بہترین عورت تسلیم کی گئی۔ حسن و جمال کے علاوہ اللہ نے اس کو عقل و ذہانت علم و ادب اور سلیقہ مندی کی نعمتوں سے بھی نوازا تھا: بچپن میں وہ شاہی محلوں میں بھی آتی جاتی رہتی تھی، اس طرح مجلسی آداب و قواعد سے بخوبی آگاہ ہو گئی تھی۔ ملکہ زبیدہ (مامون الرشید کی سوتیلی ماں) کے فیضِ صحبت نے اس کو تہذیب و شائستگی کا بہترین نمونہ بنا دیا تھا۔ خلیفہ مامون الرشید (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) نے بوران کے اوصافِ حمیدہ کا چرچا سنا تو اس نے بوران کے لیے حسن بن سہل کو پیام بھیجا۔ اس کو کیا عذر ہو سکتا تھا فوراً رضامند ہو گیا۔ ۲۰۲ھ میں مرد (MERV) کے مقام پر مامون الرشید کا نکاح بوران سے ہو گیا۔ اس وقت بوران کی عمر دس سال کی تھی اس لیے دلہن میکے سے رخصت ہو کر سسرال نہیں آئی (بعض روایتوں میں ہے کہ ۲۰۲ھ میں بوران کی صرف منگنی ہوئی تھی) رخصتی یا شادی کی رسم ۲۱۰ھ ہجری میں عمل میں آئی۔ مؤرخین نے اس شادی کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۲۱۰ھ میں مامون الرشید نے حسن بن سہل سے بوران کی رخصتی کے لیے درخواست کی۔ حسن نے فم الصلح کے مقام پر برات بُلا بھیجی۔ فم الصلح دریائے دجلہ کے کنارے واسط کے قریب آب و ہوا اور موقع کے لحاظ سے ایک بے نظیر جگہ تھی اور وہاں حسن کے کئی شاندار محلّات تھے۔

مامون الرشید مع اراکینِ دولت خاندانِ شاہی اور تمام فوج وحشم، دولھا بن کر بغداد سے روانہ ہوا اور فم الصلح میں جا قیام کیا۔ حسن بن سہل نے اس شہر کو اس طرح سجایا تھا کہ وہ "عروس البلاد" دکھائی دیتا تھا۔ حسن اور اس کے خاندان والوں نے بڑی دھوم دھام سے برات کا استقبال کیا اور برابر ۱۹ دن تک اس کی ایسے فیاضانہ حوصلے سے مہمانداری کی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی نے بھی چند دن کے لیے امیرانہ زندگی بسر کر لی۔ حسن نے اول خاندانِ بنو ہاشم، افسرانِ فوج اور تمام عہدیدارانِ سلطنت پر مشک اور عنبر کی گولیاں نثار کیں۔ ہر گولی کے اندر ایک پرچہ تھا جس پر جاگیر، خلعت، املاک، لونڈی، غلام، اسپِ خاصہ اور نقدی کی ایک خاص تعداد یا مقدار درج تھی اور یہ حکم تھا کہ جس پرچہ پر جو چیز درج ہے وہ اسی وقت وکیل المرصد (صدر خزانچی) سے حاصل کرے۔ خواص کے لیے تو یہ لوٹ تھی اور عوام پر مشک و عنبر کی گولیوں کے ساتھ درہم و دینار کی بارش ہو رہی تھی۔ سارے عرصۂ قیام میں برات کی نہایت پُرتکلف عجمی اور عربی کھانوں سے تواضع کی گئی۔ تمام لشکر میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کو بازار سے کوئی چیز خریدنے کی ضرورت پیش آئی ہو بلکہ ہر چیز حسن کی طرف سے مہیا کی جاتی تھی۔

دولھا (مامون الرشید) کو زنانخانہ میں بُلایا گیا تو وہاں اس کے لیے ایک نہایت مکلف فرش بچھایا گیا جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا تھا اور گوہر و یاقوت سے مرصع تھا۔ مامون اس پر رونق افروز ہوا تو اس پر بیش قیمت موتی نچھاور کیے گئے۔ یہ موتی زریں فرش پر بکھر کر عجب بہار دکھلاتے تھے۔ اس وقت مامون الرشید کی زبان پر بے اختیار ابونواس کا یہ شعر جاری ہو گیا جو اس نے کبھی صفتِ شراب میں کہا تھا۔

کان صغریٰ وکبریٰ من فواقعھا
حصباء درّ علی ارض من الذھب

(جامِ شراب کے چھوٹے چھوٹے بُلبلے ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے دانے بکھرے پڑے ہیں)

تیسرے دن مامون الرشید جب دوبارہ محلسرا میں گیا اور دولھا دلہن ایک ساتھ مسند پر بیٹھے تو بوران کی دادی نے ایک ہزار بیش بہا موتی دونوں پر نچھاور کیے (یہ موتی ایک طلائی سینی میں تھے)۔ اس رسم کے وقت مامون کی سوتیلی ماں ملکہ زبیدہ خاتون اور اس کی بہن حمدودہ بھی موجود تھیں۔ اسی رات کو مامون الرشید کے علوت کدہ میں چالیس من عنبر کی ایک شمع طلائی لگن میں روشن کی گئی[1]۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حسن بن سہل وزیرِ اعظم نے اس تقریب میں پچاس کروڑ درہم یعنی بارہ کروڑ پچاس لاکھ روپیہ صرف کیا اور مامون الرشید نے اپنے خُسر کو بہ تقریب تہنیتِ شادی دو کروڑ پچاس لاکھ روپیہ انعام دیئے اور فم الصلح کو حسن کی مستقل جاگیر بنا دیا۔ انیس دن بعد شوال کی ساتویں تاریخ ۲۱۰ھ ہجری کو مامون الرشید بغداد واپس آیا۔ اپنے ارکانِ دولت کو انعام واکرام سے سرفراز کیا اور غربا میں اشرفیوں کی ہزاروں تھیلیاں تقسیم کیں۔

اس زمانے اور آج کل کے سکّے کی قیمتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اس لیے زمانۂ حاضر کے لوگوں کو شادی کے یہ اخراجات مبالغہ معلوم ہوں گے لیکن اس شادی کے تمام واقعات ابنِ خلدونؒ، ابنِ اثیرؒ، ابوالفدا اور ابنِ خلکانؒ وغیرہ اکثر مؤرخین نے پوری تفصیل سے لکھے ہیں اس لیے ان سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا البتہ ان اخراجات پر اسراف کا اطلاق ضرور کیا جا سکتا ہے یہ اس زمانے کے بادشاہوں اور امیروں کے چوچلے تھے۔

جب بوران بادشاہ بیگم ہو کر محل میں داخل ہوئی تو اپنی لیاقت، دانائی

---

[1] من کی مقدار اُس زمانے میں موجودہ زمانے کے مَن کی مقدار کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

اطاعت شعاری اور سلیقہ مندی سے خلیفہ مامون الرشید کی طبیعت پر حاوی ہو گئی۔ اس اثر و رسوخ کو وہ ہمیشہ عوام الناس کے فائدہ کے لیے کام میں لاتی رہی۔ وہ بڑی نیکدل فیاض اور مخیر خاتون تھی۔ اس نے بغداد میں کئی بیمارستان (شفاخانے) اور مدرسے بنوائے۔ ان کے علاوہ خواتین کے لیے ایک دارالعلوم بطورِ خاص تعمیر کرایا۔ ان سب کے اخراجات پورا کرنے کے لیے اس نے جاگیریں وقف کیں۔

اس شادی کے صرف آٹھ سال بعد مامون الرشید نے ۱۸ رجب ۲۱۸ھ ہجری کو وفات پائی تو بوران کو شدید صدمہ پہنچا اور اس نے قصرِ مامون میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس نے تقریباً اسّی برس کی عمر میں ۲۷۱ھ میں بمقام بغداد انتقال کیا، اور جامع السلطان کے قبہ کے سامنے دفن ہوئی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بورانی اسی ملکہ کی ایجاد اور یادگار ہے۔ (واللہ اعلم) (المامون۔ مشاہیر نسواں)

بی بی امّ الفضل عباسیہ

ساتویں عباسی خلیفہ مامون الرشید کی صاحبزادی تھیں۔ وہ اپنے زمانے کے تمام مروّجہ علوم میں یکتائے روزگار تھیں۔ ان کا نکاح امام محمد تقیؒ سے ہوا اور ان کے بطن سے حضرت محمد نقیؒ پیدا ہوئے۔ (مشاہیر نسواں)

بی بی فضل

دسویں عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) کے عہد میں یگانۂ روزگار شاعرہ ہوئی ہے پہلے خلیفہ کی کنیز تھی۔ اس نے آزاد کر دیا تو اس نے شادی کر لی اور بغداد ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس کا شمار اپنے دور کی چوٹی کی شاعرات میں ہوتا ہے۔

(مختصر تاریخ صحرائیانِ عرب)

چوتھی صدی ہجری

۱۔ بی بی میمونہؒ ـــ (عالمہ، عارفہ، واعظہ)
۲۔ بی بی امۃ الواحدؒ ـــ (عالمہ)
۳۔ بی بی صفیہ ـــ (عالمہ، شاعرہ، ادیبہ)
۴۔ بی بی مؤذنہ ـــ (شاعرہ، ادیبہ)
۵۔ بی بی حمدہؒ ـــ (عالمہ، محدثہ، واعظہ)
۶۔ شہزادی جمیلہ ـــ (کریم النفس، فیاض)
۷۔ بی بی قدفہؒ ـــ (عالمہ خطیبہ)
۸۔ ملکہ صبیحہ ـــ (مخیرّ، دانشمند، باکمال)
۹۔ بی بی عایذہؒ بنت احمد بن محمدؒ (عالمہ خطاطہ)
۱۰۔ بی بی عایذہؒ بنت احمد بن قاسم (عالمہ، عارفہ، شاعرہ)
۱۱۔ بی بی مریم اندلسیہ (عالمہ، معلمہ، شاعرہ)
۱۲۔ ملکہ سیدہ (دانشمند، مخیرّ، مدبرہ)
۱۳۔ بی بی اُمّ عیسیٰؒ ـــ (عالمہ فقیہ)
۱۴۔ بی بی نجم السعید رضیہ (شاعرہ، ادیبہ)
۱۵ بی بی بیبکؒ ـــ (عارفہ)
۱۶۔ بی بی فاطمہ بنت ذکاریۃ الزابلیری (عالمہ، انشاپرداز)
۱۷۔ رالعہ بنت کعب قزداریہ ـــ (شاعرہ)
۱۸۔ بی بی ستارہ ـــ (عالمہ، فاضلہ)
۱۹۔ بی بی عائشہؒ بنت احمدؒ (ادیبہ، شاعرہ، خطاطہ)
۲۰۔ بی بی عائشہؒ شامیہ ـــ (عالمہ)
۲۱۔ بی بی منفوسہؒ ـــ (عارفہ)

بی بی میمونہؒ

بی بی میمونہؒ چوتھی صدی ہجری کی یگانۂ روزگار عالمات وعارفات میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کے مواعظ کی اثر انگیزی سے سخت سے سخت دل موم ہو جاتے تھے۔ انہوں نے وائل عمر ہی میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور نہ صرف علوم ظاہری میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں بلکہ رموز معرفت سے بھی باخبر تھیں۔ ایک دن اثنائے وعظ میں انہوں نے بیان کیا کہ جو لباس حلال کا ہو اور اس کا پہننے والا گناہوں سے اجتناب کرے وہ جلدی نہیں پھٹتا (بہت دیرپا ہوتا ہے) پھر فرمایا، یہ پیرہن جو میرے جسم پر ہے وہ میری والدہ کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے، اسے میں ۴۷ برس سے پہن رہی ہوں ابھی تک یہ بالکل صحیح وسالم ہے۔

بی بی میمونہؒ کی بہت سی کرامات لوگوں میں مشہور تھیں۔ ان کی سب سے بڑی کرامت ان کا فضل وکمال اور حسن خطابت تھی۔ ان کے مواعظ کی تاثیر سے ہزاروں گم گشتگانِ راہ کو ہدایت نصیب ہوئی ——— بی بی میمونہؒ نے ۳۹۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء)

بی بی اَمۃُ الواحدؒ

چوتھی صدی ہجری کی یگانۂ روزگار عالمات میں شمار ہوتی ہیں۔ اصل نام سنیہ تھا اور والد کا نام حسین بن اسمٰعیل تھا۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور علم فرائض میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں۔ اپنے فضل وکمال کی بناء پر خواص وعوام میں "امامہ" کے معزز لقب سے مشہور ہو گئی تھیں۔ رمضان ۳۷۷ھ ہجری میں نوّے برس کی عمر میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء)

بی بی صفیہ

اَندلُس کے فرمانروا عبدالرّحمٰن ثالث (۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ) کے عہد میں ایک نامور فاضلہ گزری ہے۔ وہ عبداللہ رازی کی بیٹی تھی اور علوم مروّجہ میں تبحّر رکھنے کے علاوہ اعلیٰ درجے کی خطاط (خوشنویس) تھی۔ شعر و سخن میں بھی اس کو درجۂ کمال حاصل تھا۔ اس کے اشعار بہت سلیس لیکن نہایت عالمانہ ہوتے تھے۔ خلیفہ عبدالرّحمٰن اس کے اشعار کا مداح تھا۔ (تاریخ اسپین کا نڈے)

بی بی مؤذنہ

یہ بھی خلیفہ عبدالرّحمٰن ثالث فرمانروائے اَندلُس کے عہد میں گزری ہے۔ یہ خلیفہ کے حرم میں کنیز تھی۔ نہایت خوش الحان اور جادو بیان شاعرہ تھی۔ خلیفہ اکثر اس کے اشعار اس کی اپنی زبان سے سُنتا اور محظوظ ہوتا تھا۔ ایک نغز گو شاعرہ ہونے کے علاوہ مؤذنہ ادب و انشاء میں بھی زبردست دسترس رکھتی تھی۔ اس کی تحریریں انشاء پردازی کا شاہکار ہوتی تھیں۔ چنانچہ خلیفہ نے اس کو اپنا ذاتی معتمد (سیکرٹری) بنالیا تھا۔

(تاریخ اسپین کا نڈے)

بی بی حمدہؒ

چوتھی صدی ہجری کے آخر میں ایک زبردست واعظہ ہوئی ہیں۔ باپ کا نام واثق تھا۔ بغداد کی رہنے والی تھی۔ انہوں نے شیخ احمد بن علی بن بدران الحلوانیؒ سے علمِ حدیث حاصل کیا تھا۔ بی بی حمدہؒ نے بغداد کے باب المراتب میں اپنی درسگاہ قائم کی تھی وہاں وہ مجلسِ وعظ بھی منعقد کیا کرتی تھیں اور لوگوں کو حدیث و فقہ کا درس بھی دیا کرتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اُس دَور کے ایک نامور عالمِ دین اور خطیب ابنِ سمعانیؒ نے فنِ خطابت اور علمِ حدیث دونوں بی بی حمدہؒ سے سیکھے تھے۔

(تذکرۃ الخواتین)

شہزادی جمیلہ

موصل اور حلب وغیرہ کے حمدانی حکمران شاہ ناصر الدولہ ابو محمد الحسن (۳۱۷ھ تا ۳۵۸ھ) کی بیٹی تھی۔ یہ خاتون بڑی کریم النفس اور فیاض تھی۔ ۳۶۶ھ میں حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ گئی تو تمام حاجیوں کو شربت پلایا، پانچ سو اونٹ پیادہ حاجیوں کو عطا کیے، ۳۰۰ غلام اور دوسو لونڈیاں آزاد کیں اور دس ہزار دینار خاص بیت اللہ میں تقسیم کیے۔ غرض اس نے ایسی ایسی سخاوتیں کیں کہ لوگوں کو ملکہ زبیدہ کا زمانہ یاد آگیا۔ اس کے بعد بھی یہ شہزادی جس سال حج کو جاتی تھی اس سال کو لوگ "عام الجمیلہ" کہتے تھے وہ ہر سال پہلے سے زیادہ سخاوت کرتی تھی۔ (تذکرۃ الخواتین)

بی بی قدفہ

والد کا نام غفار بن نصیر تمیمی تھا خلیفہ حکم ثانی (المستنصر) کے عہد ۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ میں اندلس کی ایک نامور فاضلہ ہوئی ہے۔ مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھنے اور جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس نے ادبیات اور مختلف علوم وفنون کی بیش بہا کتابوں کا ایک ذخیرہ اپنے لیے جمع کیا تھا ـــــ وہ نہایت خوش بیان اور خوش الحان تھی۔ اپنی فصیح و بلیغ تقریر سے سامعین کو مسحور کر دیتی تھی۔

(کانڈے)

ملکہ صبیحہ

اَندَلُس (ہسپانیہ) کے اُمَوی خلیفہ الحکم ثانی (بن عبدالرحمٰن ثالث) کی ملکہ تھی۔ الحکم ثانی نے ۳۵۰ھ سے ۳۶۶ھ تک حکومت کی۔ اس کی ملکہ (صبیحہ) نہایت دانشمند، مخیر اور باکمال خاتون تھی۔ الحکم اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ متواتر دس سال تک اس نے سلطنت کا کوئی بڑا یا چھوٹا کام ملکہ صبیحہ کے مشورے کے بغیر نہیں کیا۔ ملکہ صبیحہ کو مردم شناسی میں بھی کمال حاصل تھا۔ اس نے محمد بن عبداللہ کو اپنا معتمد (سیکرٹری) بنایا تھا، جو علم و فضل، حلم و وقار اور تدبر و سیاست میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ ملکہ رفاہِ عامہ کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتی تھی اور اہلِ حاجت کی بھی دل کھول کر مدد کرتی تھی۔

۳۶۶ھ میں الحکم ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہشام ثانی (المؤید) تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اس نے اپنی ماں کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا اور امورِ سلطنت میں اس سے مشورے لیتا رہا۔ ۳۶۷ھ میں ایک عظیم الشان نہر مکمل ہوئی جس کی کھدائی کئی سال پہلے ملکہ کے حکم سے شروع کی گئی تھی۔ ۳۷۱ھ میں ملکہ نے ایک عالیشان مسجد شہر قرطبہ میں تعمیر کرائی۔

ملکہ صبیحہ نے اپنے فرزند ہی کے عہدِ حکومت میں ۳۹۴ سنہ ہجری میں وفات پائی۔

(تاریخ اسپین کانڈے)

بی بی عائذہؒ بنتِ احمد بن محمدؒ

قرطبہ (اسپین۔ اَندلس) کے عامل احمد بن محمدؒ کی صاحبزادی تھیں۔ جملہ علوم و فنون اور حسنِ اخلاق میں شہرۂ آفاق تھیں۔ فنِ کتابت (خوشنویسی) میں ایسا کمال پیدا کیا کہ اُس دَور میں کسی کو ان کی ہمسری کا یارا نہ تھا۔ انہوں نے اَندلس کے علم دوست خلیفہ الحکم (المتوفی ۳۶۶ھ) کے لیے بے شمار کتابیں نقل کی تھیں۔ ابن حیان کا بیان ہے کہ عائذہ علم و فضل اور فصاحت و بلاغت میں سارے اَندلس میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں۔ وہ بہت اونچے درجے کی شاعرہ بھی تھیں۔

(کانڈے)

بی بی عائذہؒ بنتِ احمد بن قاسم

یہ خاتون بھی چوتھی صدی ہجری میں شہر قرطبہ میں ہوئی ہیں۔ علم و فضل کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھیں اور زہد و ریاضت میں دوسری رابعہ بصریؒ تھیں کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتی تھیں اِن کا کلام اتنا پاکیزہ اور دلآویز ہوتا تھا کہ خلیفۂ وقت عبدالرحمٰن (المتوفی ۳۵۰ھ) اکثر ان کے اشعار سن کر بے خود ہو جاتا تھا اور بے اختیار اس کی زبان پر کلماتِ تحسین جاری ہو جاتے تھے۔

(کانڈے)

بی بی مریم اَندلُسیہ
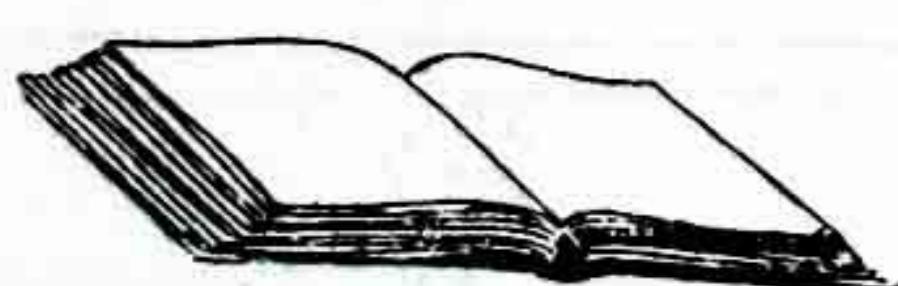
ان کا شمار چوتھی صدی ہجری کی یگانۂ روزگار عالمات میں ہوتا ہے۔ والد کا نام ابو یعقوب انصاری تھا۔ اَندلُس (ہسپانیہ) کے شہر شلب کی رہنے والی تھیں مگر وہاں کی سکونت ترک کر کے اشبیلیہ میں مستقل اقامت کر لی تھی۔ جملہ علوم دینی و دُنیوی میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں۔ انہوں نے اشبیلیہ میں ایک درسگاہ قائم کی تھی جس میں علم کا شوق رکھنے والی خواتین دور دور سے آکر ان سے تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اشبیلیہ کے بڑے اونچے اونچے خاندانوں کی لڑکیاں بی بی مریم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ وہ ان کو بڑی محنت اور توجہ سے دینی علوم کے علاوہ معانی، بیان، بدیع، شعر اور ادب کی تعلیم بھی دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جو خواتین ان کی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتی تھیں اکثر بڑے اعلیٰ اور معزز خاندانوں میں ان کے رشتے ہو جاتے تھے۔

بی بی مریمؒ نے حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی اس لیے لوگ ان کو حاجہ بھی کہتے تھے۔ بی بی مریمؒ نہ صرف ایک اونچے درجے کی عالمہ تھیں بلکہ ایک سچی مومنہ بھی تھیں اور بڑی سختی سے احکام شریعت کی پابندی کرتی تھیں۔ اسی لیے سارے ملک میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ وہ شعر و سخن کا بھی نہایت عمدہ ذوق رکھتی تھیں۔ علامہ مقری نے "نفح الطیب" میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعرہ تھیں۔

بی بی مریم نے طویل عمر پا کر پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں انتقال کیا۔

(مشاہیر نسواں)

ملکہ سیّدہ

رے، ہمدان اور اصفہان کے دَیلمی (بُوَیہی) فرمانروا فخرالدولہ ابوالحسن علی (۳۶۶ھ تا ۳۸۷ھ) کی بیگم تھی۔ ۳۸۷ھ میں فخرالدولہ نے انتقال کیا تو اس کا بیٹا اور جانشین مجدالدولہ ابوطالب رستم نابالغ تھا۔ چنانچہ حکومت کی باگ ڈور ملکہ سیّدہ نے سنبھال لی۔ وہ نہایت دانشمند قابل اور مدبّر خاتون تھی۔ اس نے حکومت کا کاروبار ایسی خوش اسلوبی سے چلایا کہ رعایا خوشحال ہوگئی لیکن جب مجدالدولہ نے بالغ ہونے کے بعد عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے اپنی والدہ کی ہدایتوں پر چلنا چھوڑ دیا اور ایک نالائق شخص ابوعلی کو وزیر بنا کر اس کے غلط مشوروں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اس سے ملکی نظم و نسق ابتر ہوگیا اور لوگوں میں بے چینی پھیل گئی۔ ملکہ سیّدہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو وہ لارستان پہنچی اور وہاں کے حاکم حسین بن بدر سے مدد چاہی۔ حسین نے ایک فوجِ گراں کے ساتھ دارالحکومت شیراز پر چڑھائی کی اور مجدالدولہ کو شکست دے کر اسے اور اس کے وزیر ابوعلی دونوں کو قید خانے میں ڈال دیا اور حکومت سیّدہ کے حوالے کر دی۔ جب وہ تاج و تخت کی مالک ہوئی تو حسین بن بدر کو اس قدر انعام و اکرام دیا کہ وہ خوش ہوگیا۔ پھر وہ رفاہِ عامہ کی طرف متوجہ ہوئی اور ایسے ایسے کام کیے کہ لوگ آسودہ حال ہوگئے اور ہر طرف امن چین کا دَور دَورہ ہوگیا۔ یہ قابل ملکہ اپنے وزراء اور حکام پر کڑی نگرانی رکھتی اور ان سے باقاعدہ مراسلت رکھتی۔ وہ پردے کے پیچھے بیٹھ کر غیر ممالک کے سفیروں سے گفتگو کرتی اور کسی سے مشورہ کیے بغیر ان کے سوالوں کے نہایت معقول جواب دیتی۔ ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی (۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ) نے اس کو

پیغام بھیجا کہ اپنی مملکت میں میرے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرو ورنہ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ملکہ سیدہ نے اس کے جواب میں سلطان محمود کو لکھا:۔

"اگر سلطان مجھ سے لڑنے آتا ہے تو بسم اللہ وہ مجھے میدانِ جنگ سے روگرداں ہوتے نہ دیکھے گا۔ جنگ کا نتیجہ ہمیشہ فتح یا شکست کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگر مجھے فتح ہوئی تو اطراف واکناف میں مشہور کروں گی اور اس پر فخر کروں گی کہ محمود جیسے نامور فرمانروا کو میں نے شکست دی۔ اور سلطان کی بدنامی ہو گی کہ ایک عورت نے اس کو پسپا کیا اور اگر مجھے شکست ہوئی تو ایک عورت کو شکست دے کر سلطان کو نہ ناموری حاصل ہو گی اور نہ اس کے لیے کوئی قابلِ فخر کارنامہ ہو گا۔"

سلطان محمودؒ کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا اور جب تک سیدہ زندہ رہی اس نے اس کے ملک کا قصد نہ کیا۔

چند سال حکومت کرنے کے بعد سیدہ کی محبتِ مادری جوش میں آئی اور اس نے مجدالدولہ کو آزاد کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ اب وہ اپنی والدہ کی نصیحتوں پر چلتا رہا اور ملک بھی آباد اور خوشحال رہا لیکن جب ۴۲۰ھ ہجری میں سیدہ نے وفات پائی اور مجدالدولہ نے حسبِ سابق من مانی کرنی چاہی تو سلطان محمود غزنوی نے فوراً اس پر یلغار کر دی اور ملک پر قبضہ کر لیا۔ مجدالدولہ کو وہ گرفتار کر کے اپنے ساتھ خراسان لے گیا۔ (مشاہیر نسواں بحوالہ خلاصۃ الاخبار و حدیقۃ الاقلیم)

بی بی اُمِ علیسیؒ

مشہور عالم ابراہیم بن اسحاق حربیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ علمِ فقہ کی بڑی مستند عالمہ ہوئی ہیں۔ لوگ مختلف مسائلِ فقہ میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور شافی جوابات پاتے تھے۔ انہوں نے ۳۲۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الخواتین)

بی بی نجم السّعید رضیہ

اندلس کے خلیفہ حکم ثانی (۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ) کی اہلیہ تھی۔ شعر و سخن اور زبان و ادب میں یگانۂ دہر تھی۔ شوہر کی وفات کے بعد اس نے بہت سے مشرقی ممالک کا سفر کیا اور ہر جگہ کے علماء نے اس کی بڑی قدر کی۔ (تمدنِ عرب)

بی بی بیبک رح

تیسری / چوتھی صدی ہجری میں شہر مرو میں ایک مشہور عارفہ ہوئی ہیں۔ شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ (متوفی ۴۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ شہر مرو میں ایک ضعیفہ ہمارے پاس آئی اور کہنے لگی :

"اے ابو سعید میری ایک فریاد ہے۔"

میں نے کہا : ——— "بیان کر"

اس نے کہا : ——— "لوگ تو دعا کرتے ہیں کہ ہمیں کچھ دیر اپنے آپ سے بیگانہ کر دے لیکن میں تین برس سے یہ دعا کر رہی ہوں کہ الٰہی ایک پل بھر کے لیے مجھے ہوش عطا کر تا کہ دیکھوں کہ میں کون ہوں، آیا کچھ خودی رکھتی ہوں یا نہیں مگر ابھی تک یہ کیفیت میسر نہیں ہوئی۔"

یہ خاتون بی بی بیبک تھیں۔ سالِ وفات معلوم نہیں۔

(نفحات الانس)

بی بی فاطمہؒ بنتِ زکاریۃ الزابلیری

اَندلس کے اُموی خلیفہ الحَکَم ثانی (المتوفی ۳۶۶ھ) کے حرم میں ایک جاریہ خاتون تھی جس کا نام فاطمہ تھا ـــــــ اس کے باپ کا نام زکاریۃ الزابلیری تھا جو ایوانِ خلافت کا عہدیدار تھا۔

فاطمہ اکثر القصر (واقع لبُنہ) میں رہتی تھی۔ وہ بڑی عالمہ اور فاضلہ خاتون تھی۔ صَرف، نحو، ادب، حساب اور دیگر علومِ مروجہ میں اس کو درجہ متبحر حاصل تھا۔ الحکَم کو وہ اس وجہ سے سب خواتینِ حَرم سے بڑھ کر عزیز تھی کہ انشاء پردازی میں اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اکثر الحکَم کی طرف سے خطوط اور فرامین لکھتی، جو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے نثرِ اعلیٰ کا نمونہ ہوتے تھے۔ ابنِ حیانؒ، کا بیان ہے کہ اَندلس میں نہ کوئی دوسری عورت فاطمہؒ سے بہتر انشاء پرداز تھی اور نہ کوئی مرد اس کی ہمسری کا دعویٰ کرسکتا تھا۔ اس کے پاس علمی اور صنعتی کتابوں کا ایک بیش بہا ذخیرہ تھا۔

(تاریخ اسپین کانڈے)

رابعہ بنتِ کعب قزداریہ

چوتھی صدی ہجری کے ہندوستان میں کرمان و مکران سے متصل طوران (توران) ایک مستقل ریاست تھی۔ یہ علاقہ حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ امارد خلافت میں فتح ہو چکا تھا۔ ۳۴۰ھ سے ۴۷۱ھ تک طوران پر مختلف افراد حکومت کرتے رہے (یہ موروثی یا خاندانی حکمران نہیں تھے) ان حکمرانوں

کو متغلب حکمران کہا جاتا ہے۔ اس زمانے کو طوائف الملوکی کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس صورتِ حال کا خاتمہ ۴۷۱ھ میں غوریوں نے کیا۔

حکومتِ طوران کا دارالحکومت قزدار (قصدار) تھا۔ متغلبین کے دورِ حکومت میں رالبعہ بنتِ کعب قزداریہ نامور شاعرہ ہوئی ہے۔ اس کو عربی اور فارسی پر زبردست عبور حاصل تھا اور وہ ان دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی۔ یہ خاتون چوتھی صدی ہجری میں گزری ہے، اور اس صدی کے شہرۂ آفاق عرب سیاح اور جغرافیہ دان ابنِ حوقل نے اپنے سیاحت نامہ "المسالک والممالک" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

("ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" از قاضی اطہر مبارکپوری
و تاریخِ سندھ وغیرہ)

بی بی ستارہؒ

شیخ الرئیس بو علی سینا[1] کی والدہ تھیں۔ وطنِ مالوف بخارا تھا۔ بڑی عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے لختِ جگر کو مکتب روانہ کرنے سے پہلے خود ضروری علوم و فنون کی تعلیم دی اور قرآنِ کریم حفظ کرایا۔ اس

---

[1] الشیخ الرئیس بو علی سینا یا ابنِ سینا تاریخِ عالم کی قد آور شخصیت ہیں۔ بخارا کے قریب ایک گاؤں افشنہ میں ۳۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبداللہ بن سینا تھا۔ غیر معمولی ذہانت کی بدولت دس سال کی عمر میں حفظِ قرآن کے علاوہ مبادی علم و ادب سے واقف ہو گئے۔ اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے فقہ، منطق، ریاضی، ہیئت، فلسفہ، اقلیدس، طبیعیات، طب اور مابعد الطبیعیات وغیرہ تمام علوم میں کامل

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوعلی سینا نے آئندہ کے تعلیمی مراحل بکمال سرعت نہایت آسانی سے طے کر لیے۔ بی بی ستارہؒ کا شمار چوتھی صدی ہجری کی با کمال خواتین میں ہوتا ہے۔ (مشاہیرِ نسواں وغیرہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مہارت حاصل کر لی۔ انہوں نے مختلف علوم و فنون پر کثیر التعداد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے کتاب الشفا (جو فلسفہ کی انسائیکلو پیڈیا ہے) اور "القانون فی الطب" نے (جو طب کی معرکہ آرا کتاب ہے) خاص شہرت حاصل کی۔ ان کی متعدد کتابوں کا ترجمہ مغربی زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

کتاب النجات، کتاب السیاست، تہافتہ التہافتہ، ابن رُشد و فلسفہ بحث عن القوۃ النفسانیہ، تسع رسائل فی الحکمتہ و المنطق۔ منطق المشرکئین و القصیدۃ المزدوجہ فی المنطق۔

بوعلی سینا اپنی زندگی میں اس دور کے کئی حکمرانوں سے وابستہ رہے۔ وہ سب ان کے قدر دان تھے۔ اب بھی مشرق و مغرب میں ہر جگہ ان کو ایک نہایت ممتاز طبیب، عالم اور فلاسفر کی حیثیت سے بہت بلند مقام حاصل ہے اور ان کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔ مستشرقین ان کو AVICENNA کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بوعلی سینا نے ۴۲۸ھ ہجری میں ہمدان کے مقام پر وفات پائی۔

بی بی عائشہ بنتِ احمدؒ

چوتھی صدی ہجری میں نہایت باکمال خاتون گزری ہیں۔ قرطبہ (اَندُلس) کی رہنے والی تھیں۔ مؤرخ ابنِ حیانؒ کا بیان ہے کہ اَندَلُس کی خواتین میں کوئی شریف عورت علم و فہم اور شعر و ادب میں اس باکمال خاتون (عائشہ بنتِ احمد) کے پایہ کی نہ تھی۔ اَندَلُس کے حکمران ان کے مرتبۂ علمی کی بے حد قدر کرتے تھے اور اکثر ان کو انعام و اکرام سے نوازتے رہتے تھے۔ جملہ عُلُوم میں کمال رکھنے کے علاوہ ان کو فنِ کتابت (خوشنویسی) میں عجیب ملکہ حاصل تھا۔ ان کا سوادِ خط اتنا خوب صورت تھا کہ جو دیکھتا تھا دنگ رہ جاتا تھا۔ انھوں نے بے شمار علمی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھیں اور علماءِ اندلس نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتی تھیں اور اپنے دور کے نہایت بلند پایہ شعراء میں شمار کی جاتی تھیں۔

کتاب المغرب کا مصنف لکھتا ہے کہ "ابو عبداللہ طبیب عائشہ کا چچا تھا۔ وہ اندلس کا چوٹی کا شاعر تھا لیکن ہم اگر یہ کہیں کہ عائشہ ابو عبداللہ سے زیادہ باکمال شاعرہ تھی تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔"

ایک دفعہ عائشہ مظفر بن منصور بن ابی عامر[1] کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور

---

[1] منصور بن ابی عامر ہشام ثانی فرمانروائے اندلس (۳۶۶ھ تا ۳۹۹ھ) کا وزیر تھا۔ وہ بڑا ہوشیار اور باصلاحیت آدمی تھا۔ کہنے کو تو وزیر تھا لیکن حکومت کے تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس نے عیسائی دشمنوں کو بہت سی لڑائیوں میں شکست دی اس لیے المنصور کے لقب سے مشہور ہوا۔ مظفر اسی کا فرزند تھا۔

فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے :

اراك الله فيه ما تريد	جو ارادہ تو رکھتی ہے خدا تجھے ویسا ہی
ولا برحت معاليه تزيد	اس کو دکھائے اور اس کے رتبے ہمیشہ بڑھتے رہیں ـــ اس کا بشرہ تجھے اس چیز کی
فقد دلت مخايله على ما	امید دلا رہا ہے جو تو ارادہ رکھتی ہے۔
تؤمله و طالعه السعيد	
تشوقت الجياد له و هزله	ہواؤں نے اس کی طرف شوق کیا اور اس کے لیے
حسام هوى واشرقت البنود	محبت کی تلوار متحرک ہوئی اور عَلَم بلند ہوئے
وكيف يخيب مثيل قد نمته	کس طرح وہ شیر بچہ ناکام رہے گا
الى العليا ضراغمة اسود	جو شیرانِ اسود کی اولاد سے ہے
فسوف تراه بدرا فى سماء	تو اس کو چودھویں رات کے چاند کی مانند
من العليا كواكبه الجنود	دیکھے گا آسمانِ بلند میں اور اس کا لشکر تارے ہیں۔
فانتم ال عامر خير ال	پس اے آلِ عامر تم سب سے زیادہ شریف اولاد
زكاء الابناء منكم والجدود	ہو۔ تمہارے باپ اور بیٹے سب ذہین ہیں۔
وليدكم لدى راى كشيخ	تمہارے بچے رائے زنی کے وقت بڈھے
وشيخكم لدى حرب وليد	اور تمہارے بڈھے شمشیر زنی کے وقت بچے ہیں۔

بی بی عائشہؒ کا سالِ وفات کسی مؤرخ نے بیان نہیں کیا۔ (مشاہیر نسواں)

بی بی عائشہؒ شامیہ

یوسف دمشقی کی صاحبزادی تھیں۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں نامور عالمہ گزری ہیں۔ انہوں نے تمام علومِ مرّوجہ مولانا عبداللہ ہروی ؒ سے حاصل کیے۔ کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ان میں سے "الاشارات الحنفیہ فی منازل العلمیہ" بہت مشہور ہے۔ یہ کتاب "منازل السایری" کا اختصار ہے۔

(مشاہیر نسواں)

بی بی منفوسہؒ

شاہِ فارس و عراق ابو الفوارس زید (المتوفی ۳۷۲ سنہ ہجری) کی صاحبزادی تھیں۔ صاحبِ طبقاتِ شعرانیؒ نے ان کو طبقۂ اولیاء میں شمار کیا ہے۔ بے حد عبادت گزار تھیں اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتی تھیں۔ شیوۂ تسلیم و رضا ان کی زندگی کا نہایت روشن پہلو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد کی نعمت سے بارہا نوازا لیکن ان کے صبر کا امتحان یوں لیا کہ کسی بچے کو طویل زندگی عطا نہ کی۔ ان کے سب بچے چھوٹی عمر ہی میں فوت ہو جاتے تھے۔ جب کوئی بچہ فوت ہوتا تو وہ اس کا سر اپنی گود میں لے کر بیٹھ جاتیں اور کہتیں:۔

"خدا کی قسم تیرا آگے جانا میرے نزدیک بہتر ہے اس سے کہ تو میرے پیچھے جاتا اور میرا صبر بہتر ہے اس سے کہ میں تجھ پر نوحہ کروں۔ اگر تیری جدائی حسرت ناک ہے تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے۔

پھر جوش میں آ کر عمرو بن معدی کرب کا یہ شعر پڑھتیں:

و انا القوم لا نفیض دموعنا
علی ھالك منا و ان قصم الظھر

(ہم ایسے لوگ ہیں کہ اپنے مُردوں پر نہیں روتے اگرچہ صدمہ سے کمر ٹوٹ جاتی ہے)

اس کے بعد نہایت صبر سے بچے کی تجہیز و تکفین کرتیں پھر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتیں۔

سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

(طبقاتِ شعرانی، عارفاتِ سلطانی)

پانچویں صدی ہجری

١- سیدہ فاطمہؒ اُمُّ الخیر (عابدہ، زاہدہ، عارفہ)
٢- بی بی اُمِّ محمدؒ ——— (عارفہ)
٣- سیدہ خدیجہ جیلانیؒ (عالمہ، عارفہ، واعظہ)
٤- بی بی عروضیہؒ ——— (عالمہ)
٥- اُمِّ زین الدینؒ ——— (عالمہ، عابدہ)
٦- بی بی عائشہ اندلسیہ ——— (محدثہ)
٧- بی بی اُمُّ البلاء ——— (عالمہ، شاعرہ)
٨- بی بی ست الملک ——— (عالمہ، مدبرہ)
٩- ملکہ ترکان خاتون ——— (دانشمند، مدبرہ)
١٠- بی بی اَمَۃُ العزیز ——— (عالمہ، شاعرہ)
١١- بی بی صفیہ بنت نظام الملک (عالمہ فاضلہ)
١٢- بی بی اُمِّ الخیرؒ حجازیہ (عالمہ، شاعرہ)
١٣- بی بی فاطمہ بنتِ الاُقرع ——— (خطاطہ)
١٤- بی بی کریمہ بنتِ احمد مروزیؒ (عالمہ، محدثہ)
١٥- بی بی نزہون ——— (عالمہ، شاعرہ)
١٦- بی بی اسماء (عالمہ، بہادر، مدبرہ)
١٧- بی بی ستیدہ (دانشمند، مدبرہ، مخیرہ)
١٨- بی بی اعتماد رامقیہؒ (عالمہ، ادیبہ)

سیّدہ فاطمہؒ اُمّ الخیر

پیرانِ پیر سیّدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ[1] رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔ نہایت پاکباز، عابدہ زاہدہ اور خدا رسیدہ خاتون تھیں۔ ان کی شادی سیّد ابوصالح جنگی دوستؒ سے ہوئی تھی، وہ بھی بڑے متقی اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ ان کا عقدِ نکاح سیّدہ فاطمہؒ سے جن حالات میں ہوا ان کو پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ روایت ہے کہ عنفوانِ شباب میں سید ابوصالح اکثر ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ دریا کے کنارے عبادت کر رہے تھے۔ کھانا کھائے ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ اچانک ایک سیب دریا میں بہتا ہوا دکھائی دیا۔ بسم اللہ کہہ کر اسے پکڑ لیا اور کھا گئے۔ پھر دل میں خیال پیدا ہوا کہ معلوم نہیں اس سیب کا مالک کون ہے۔ میں نے بغیر اجازت کھا کر امانت میں خیانت کی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے

---

[1] پیرانِ پیر سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ اسلام کی نہایت برگزیدہ ہستی ہیں۔ ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ سُنّت کے سبھی مکاتبِ فکر ان کا نام نہایت عزت و احترام سے لیتے ہیں اور ان میں سے کچھ ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے باقاعدگی سے مختلف تقاریب کا اہتمام کرتے ہیں وہ قادریہ سلسلۂ تصوف کے بانی ہیں۔ ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں جیلان (گیلان) میں پیدا ہوئے۔ کمسنی ہی میں یتیم ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی مدرسے میں حاصل کی۔ والدہ ماجدہ اور نانا سید عبداللہ صومعیؒ نے ان کی تربیت پر خاص توجہ دی۔ ۱۸ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لیے بغداد گئے۔ سالہا سال تک تحصیلِ علم میں مشغول رہے، اس دوران میں ابوالخیر شیخ حماد بن مسلم الدباسؒ سے علمِ طریقت بھی حاصل کیا۔ پھر پچیس سال تک

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور دریا کے کنارے کنارے پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت سیب کے مالک کی تلاش میں چل پڑے۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ان کو لبِ دریا ایک وسیع

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

مجاہدات و ریاضات میں مشغول رہے۔ اس کے بعد شیخ ابوسعید مبارک مخرمیؒ کی بیعت کی اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ۵۲۱ھ میں بغداد میں وعظ و تبلیغ کا آغاز فرمایا اور اس قدر شہرت پائی کہ ان کے لیے ایک خانقاہ تیار کی گئی اور شیخ ابوسعید مبارک مخرمیؒ کی قائم کی ہوئی درسگاہ کو وسیع کر کے انہیں اس کا شیخ الجامعہ مقرر کیا گیا۔ ان کے وعظ و ارشاد سے ہزاروں یہودی اور عیسائی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور لاکھوں فُسّاق و فجّار نے توبہ کی۔ فرمانروایانِ وقت اور وزراء تک ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ دُور دُور سے ان کے پاس فتاویٰ آتے تھے اور وہ ان کا جواب دیتے تھے۔ چند ہی سالوں کے اندر اندر تمام دنیائے اسلام میں ان کے علم و فضل کا ڈنکا بجنے لگا۔ اس کے علاوہ ان کو سرآمدِ روزگار ولی اللہ تسلیم کیا گیا۔ ان کی کرامات کی کثرت پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔

امام ابنِ تیمیہؒ کا بیان ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی کرامات حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ امام نوویؒ کا قول ہے کہ "جس کثرت کے ساتھ معتبر اور ثقہ راویوں کی زبانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامات ہم تک پہنچی ہیں اور کسی ولی کی کرامات اس طرح نہیں پہنچیں۔" ان کی سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی تھی جس کی وجہ سے عالمِ اسلام میں ایمان اور روحانیت کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی۔ حضرت پیرانِ پیر نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی۔ مرقد مبارک بغداد میں مرجع خواص و عوام ہے۔ انہوں نے ہزاروں مرید اور شاگرد اپنی یادگار چھوڑے۔ ان کے علاوہ دین اخلاق اور تصوف پر متعدد تصانیف بھی چھوڑیں ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:۔ غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، الفتح الربانی والفیض الرحمانی، کبریت احمر، جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر، مکتوبات۔

(غبطۃ الناظر لابن حجرؒ، نفحات الانس جامیؒ، اخبار الاخیار عبدالحق محدث دہلویؒ وغیرہ)

باغ نظر آیا۔ اس میں سیب کا ایک تناور درخت تھا جس کی شاخوں سے پکے ہوئے سیب پانی میں گر رہے تھے۔ سید ابو صالح نے لوگوں سے اس باغ کے مالک کا پتا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے مالک جیلان کے ایک رئیس سید عبداللہ صومعیؒ ہیں۔ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سارا ماجرا بیان کیا اور بصد ادب بلا اجازت سیب کھا لینے کے لیے معافی چاہی۔

سید عبداللہ صومعیؒ خاصانِ خدا میں سے تھے، وہ سمجھ گئے کہ یہ نوجوان اللہ کا خاص بندہ ہے۔ دل میں تڑپ اٹھی کہ اس کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لوں۔ فرمایا، دس سال تک اس باغ کی رکھوالی کرو اور مجاہدۂ نفس کرو پھر سیب معاف کرنے کے بارے میں سوچوں گا۔ سید ابو صالحؒ نے یہ شرط منظور کر لی اور دس سال تک باغ کی رکھوالی کرتے رہے۔ ساتھ ہی سید عبداللہ صومعیؒ کی ہدایات کے مطابق مدارجِ سلوک بھی طے کرتے رہے۔ دس سال کے بعد سید عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ دو سال اور باغ کی رکھوالی کرو۔ سید ابو صالحؒ نے تعمیلِ ارشاد کی۔ بارہ سال کی مدت پوری ہوتے ہی سید عبداللہ نے انہیں بلا کر فرمایا، اے فرزند تو آزمائش کی کسوٹی پر پورا اترا ہے لیکن ابھی ایک خدمت اور باقی ہے وہ یہ کہ میری ایک لڑکی ہے جو پاؤں سے لنگڑی، ہاتھوں سے لنجی، کانوں سے بہری اور آنکھوں سے اندھی ہے اس بیچاری کو اپنے نکاح میں قبول کرو تو میں سیب تمہیں بخش دوں گا۔ سید ابو صالحؒ نے یہ شرط بھی منظور کر لی اور سید عبداللہؒ نے اپنی لختِ جگر کا نکاح ان سے کر دیا۔ ان کی یہ لختِ جگر سیدہ فاطمہ تھیں۔ شادی کے بعد سید ابو صالحؒ نے سیدہ فاطمہؒ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے تمام اعضاء صحیح و سالم ہیں اور وہ کمال درجہ کے حسنِ ظاہری سے متصف ہیں۔ دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ شاید یہ کوئی اور لڑکی ہے اسی وقت باہر نکل گئے اور شیخ عبداللہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا، یہی

لڑکی میری لختِ جگر اور تمہاری بیوی ہے۔ اس کی جو صفات میں نے تم سے بیان کی تھیں ان کا مطلب یہ تھا کہ اس نے آج تک کوئی کام شریعت کے خلاف نہیں کیا اس لیے لنجی ہے، آج تک گھر سے باہر قدم نہیں نکالا اس لیے لنگڑی ہے، آج تک خلافِ حق کوئی بات نہیں سُنی اس لیے بہری ہے۔ آج تک کسی نامحرم پر نظر نہیں ڈالی اس لیے اندھی ہے۔

اب سیّد ابو صالحؒ سب کچھ سمجھ گئے اور ان کے دل میں اپنی اہلیہ کے لیے بے حد محبت اور عزت پیدا ہو گئی۔ اس طرح بخیر و خوبی ان دونوں پاکباز ہستیوں کی رفاقتِ حیات کا آغاز ہوا۔ انہوں نے جیلان (گیلان) ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ وہیں سیدہ فاطمہؒ کے بطن سے بہ اختلافِ روایت ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں عالمِ اسلام کی وہ مایۂ ناز ہستی پیدا ہوئی جس کے مہتم بالشان تبلیغی اور اصلاحی کارناموں نے خزاں رسیدہ شجرِ ملت کو سرسبز کر دیا اور راہِ راست سے بھٹکے ہوئے لاکھوں انسانوں کو راہِ ہدایت پر گامزن کر دیا۔ ہماری مراد سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ہے۔

حضرت شیخ ابھی کم سن ہی تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ والدہ ماجدہ نے بڑے صبر اور حوصلے سے کام لیا اور اپنے چار پانچ سالہ فرزند کی تعلیم و تربیت اور نگرانی پر خاص توجہ دی۔ اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ سیّدنا شیخ عبدالقادرؒ ایک مثالی جوانِ صالح بنے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے مقامی مکتب میں حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لیے بغداد جانے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے والدہ ماجدہ سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے باچشمِ پُرنم اپنے لختِ جگر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا، میرے نورِ بصر تیری جدائی تو ایک لمحہ کے لیے بھی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی لیکن جس مبارک مقصد کے لیے تم بغداد جانا چاہتے ہو میں اس کے راستے میں حائل نہ ہوں گی۔ حصولِ علم ایک مقدّس فریضہ ہے، میری دعا ہے کہ تم تمام علوم میں درجۂ کمال حاصل کر دیں تو

شاید اب جیتے جی تمہاری صورت نہ دیکھ سکوں گی مگر میری دعائیں ہر حال میں تمہارے ساتھ رہیں گی۔

پھر فرمایا، تمہارے والد مرحوم کے ترکہ میں سے اسّی دینار میرے پاس ہیں، چالیس دینار تمہارے بھائی کے لیے رکھتی ہوں اور چالیس زادِ راہ کے لیے تمہارے سپرد کرتی ہوں۔

پھر سیّدہ فاطمہؒ نے یہ چالیس دینار سیّد عبدالقادرؒ کی بغل کے نیچے ان کی گدڑی میں سی دیئے۔ جب وہ گھر سے رخصت ہونے لگے تو ان سے فرمایا:

"میرے پیارے بچے! میری آخری نصیحت سن لو۔ اسے کبھی نہ بھولنا وہ یہ ہے کہ ہمیشہ سچ بولنا اور خواہ کچھ بھی ہو جائے جھوٹ کے نزدیک بھی نہ پھٹکنا۔"

سعادت مند فرزند نے بادیدۂ گریاں عرض کیا:۔

"اماں جان! میں سچّے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔"

سیّدہ فاطمہؒ نے اپنے نورالعین کو گلے لگا لیا اور پھر ایک آہِ سرد کھینچ کر فرمایا:

"جاؤ تمہیں اللہ کے سپرد کیا وہی تمہارا حافظ وناصر ہے۔"

والدہ ماجدہ سے رخصت ہو کر شیخ عبدالقادرؒ بغداد جانے والے ایک قافلے کے ساتھ ہو لیے۔ اس زمانے میں طویل بیابانی راستوں میں تنہا سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ لوگ قافلے بنا کر سفر کرتے تھے اور اپنی حفاظت کا مقدور بھر اہتمام کرتے تھے پھر بھی رہزنوں کا خطرہ ہر وقت دامنگیر رہتا تھا۔ شیخ عبدالقادرؒ کا قافلہ جب ہمدان سے آگے ترتنک کے سنسان کوہستانی علاقے میں پہنچا تو ساٹھ قزاقوں کے ایک جتھے نے قافلے پر حملہ کر دیا اور اہلِ قافلہ کا سب مال واسباب لوٹ لیا۔ شیخ عبدالقادرؒ ایک طرف کھڑے تھے کہ ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا:

"اے لڑکے تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟"

انہوں نے بلا خوف وہراس اطمینان سے جواب دیا، ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ڈاکو کو ان کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ ان پر ایک نگاہِ استہزا ڈالتا ہوا چلا گیا۔ پھر ایک دوسرے ڈاکو نے ان سے یہی سوال کیا۔ انہوں نے اس کو بھی وہی جواب دیا۔ یہ ڈاکو بھی ان کی بات کو ہنسی میں اڑا کر چلا گیا۔ شدہ شدہ یہ بات ڈاکوؤں کے سردار احمد بدوی تک پہنچی، اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ ڈاکوؤں نے سید صاحب کو پکڑ کر احمد بدوی کے سامنے پیش کیا تو اس نے ان سے پوچھا:

"لڑکے سچ سچ بتا تیرے پاس کیا ہے؟"

انہوں نے بے دھڑک جواب دیا: "میں پہلے بھی تیرے دو ساتھیوں کو بتا چکا ہوں کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔"

سردار نے کہا۔ "کہاں ہیں نکال کر دکھاؤ۔"

حضرت نے فرمایا، میری بغل کے نیچے گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔

سردار نے گدڑی کو ادھیڑ کر دیکھا تو اس میں سے واقعی چالیس دینار نکل آئے۔ سردار اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سردار نے استعجاب کے عالم میں کہا:

"لڑکے تمہیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں لیکن پھر بھی تم نے دیناروں کا بھید ہم پر ظاہر کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

حضرت نے فرمایا۔ "میری پاکباز والدہ نے گھر سے رخصت ہوتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا۔ بھلا ان چالیس دیناروں کی خاطر میں والدہ کی نصیحت کیسے فراموش کر دیتا؟"

یہ سن کر سردار پر رقت طاری ہو گئی اور وہ روتے ہوئے بولا: